اٰيَاتُهَا 40 (78) سُوْرَةُ النَّبَا مَكِّيَّةٌ (80) رُكُوْعَاتُهَا 2

الجزء الثلاثون (30)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
عَمَّ يَتَسَآءَلُوۡنَ ۚ ۱	کس (بات) کا ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔
عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِيۡمِ ۙ ۲	بڑی بھاری خبر کے متعلق۔
الَّذِىۡ هُمۡ فِيۡهِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ؕ ۳	جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ (3519)
كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ۙ ۴	یوں نہیں، یہ جان لیں گے۔
ثُمَّ كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ۵	ہاں یوں نہیں، یہ جان لیں گے۔
اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۙ ۶	کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟
وَّالۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۙ ۷	اور پہاڑوں کو میخیں۔ (3520)

سورۃ النبا

تمہید سورت:

اس سورت کا نام النَّبَاِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 40 آیتیں ہیں۔ النَّبَاِ اس خبر کو کہتے ہیں جس سے عظیم الشان فائدہ حاصل ہو اور یہاں اس لفظ میں اشارہ اسی ﴿يَوۡمَ الۡفَصۡلِ﴾ کی طرف ہے جس کا ذکر پچھلی سورت میں تھا اور یہ یہاں صراحت سے بیان بھی کر دیا ہے۔ یوں پچھلی سورت کے مضمون کو جاری رکھا ہے۔ یہ سورت بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

3519۔ ﴿النَّبَاِ الۡعَظِيۡمِ﴾ سے مراد قرآن یا امر نبوت بھی لیا گیا ہے اور بعث بعد الموت بھی۔ اور کفار کا باہم اختلاف قرآن کے متعلق ہی تھا کہ یہ کیسا کلام ہے۔ کوئی اسے سحر کہتا، کوئی شعر، کوئی افترا، کوئی پریشان خوابیں، کوئی کاہن کا قول۔ مگر اختلاف سے مراد آنحضرت ﷺ سے اختلاف بھی ہوسکتا ہے یعنی آپ کی مخالفت۔ نباء عظیم وہی ﴿يَوۡمَ الۡفَصۡلِ﴾ ہے جس کا ذکر پچھلی سورت میں بھی تھا اور آگے بھی آتا ہے۔ اور آگے ﴿كَلَّا﴾ اسی مخالفت پر زجر کے طور پر ہے۔

3520۔ زمین کو ﴿مِهٰدًا﴾ کہا ہے یعنی تیار کی ہوئی جگہ، یا وہ جگہ جس پر پھرا جاتا ہے۔ (غ) اور پہاڑوں کو میخوں سے تشبیہ دی ہے۔ (اَوۡتَادُ

وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿۸﴾	اور ہم نے تمہیں جوڑے جوڑے پیدا کیا۔
وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾	اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام (کا موجب) بنایا۔
وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾	اور ہم نے رات کو پردہ بنایا۔
وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾	اور دن کو ہم نے معاش کے لیے بنایا۔
وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾	اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے۔
وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾	اور ہم نے سورج کو روشنی اور گرمی دینے والا بنایا۔(3521)
وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾	اور ہم بادلوں سے زور سے برستا ہوا مینہ اتارتے ہیں۔(3522)

کے لیے [دیکھو نمبر: 2826]) اس لیے کہ وہ ظاہر صورت میں سطح زمین پر میخوں کی طرح ہیں اور پہاڑوں کے ساتھ ہی اس کی ابتدائی حالت تزلزل کا خاتمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مختلف چیزوں کے وجود میں اپنی حکمت کا بیان کیا ہے۔ حتیٰ کہ دن اور رات بھی اپنی اپنی جگہ کام دیتے ہیں۔ اور نیند کو ﴿سُبَاتًا﴾ کہا ہے۔ اس کے قریب لفظ [الفرقان: 47:25] میں ہیں مگر وہاں دن کو ﴿نُشُوْرًا﴾ کہا ہے اور یہاں ﴿مَعَاشًا﴾ اور ﴿نُشُوْرًا﴾ کے لفظ میں جی اٹھنے کی طرف اشارہ کر کے بتایا ہے کہ موت نیند کی طرح ہے اور اس نیند کے بعد ضرور ہے کہ پھر دن آئے اور وہی قیامت یا جی اٹھنا ہے۔

3521۔ ﴿وَّهَّاجًا﴾۔ وَهَّاجٌ۔ وَهَجَ آگ سے روشنی اور گرمی کا حاصل ہونا ہے۔ اسی سے وَهَّاجٌ روشنی دینے والا ہے۔ (غ) یا روشنی اور گرمی پہنچانے والا۔

3522۔ ﴿مُعْصِرٰتِ﴾۔ مُعْصِرٌ وہ بادل ہے جو مینہ برسانے کے قریب ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿مُعْصِرٰتِ﴾ ہواؤں کو کہا ہے اور بعض نے خود بارشوں کو۔ (ل)

﴿ثَجَّاجًا﴾۔ ثَجَّاجٌ۔ ثَجَّ بہت بہانا یا بہت پانی کا بہانا اور [مَطَرٌ ثَجَّاجٌ] زور سے برسنے والی بارش ہے۔

﴿سَبْعًا شِدَادًا﴾۔ نظام شمسی کے سات سیارے ہیں علاوہ زمین کے۔ اور اس کا ذکر کر کے پھر سورج کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف توجہ دلائی کہ کس طرح ایک چیز دوسری سے وابستہ ہے۔ سورج کی گرمی مینہ برسانے کا موجب ہے، اس

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿۱۵﴾	تاکہ ہم اس کے ساتھ غلہ اور سبزی نکالیں۔
وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾	اور گھنے باغ۔
اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾	بے شک فیصلے کے دن کا وقت مقرر ہے۔
يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾	جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم فوج فوج ہو کر آؤ گے۔
وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾	اور آسمان کھول دیا جائے گا، سو دروازے ہو جائیں گے۔
وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾	اور پہاڑ اڑائے جائیں گے سو وہ ریت ہو جائیں گے۔(3523)
اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾	دوزخ گھات میں ہے۔
لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾	وہی سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔
لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾	اس میں برسوں رہیں گے۔

لیے کہ سورج کی گرمی سے سمندروں کا پانی بخارات کی صورت میں منتقل ہوتا ہے اور تب پانی برستا ہے۔ پھر پانی سے سبزیاں نکلتی ہیں اور باغوں کے باغ بن جاتے ہیں۔ اس لیے سب باتوں کا نتیجہ فرمایا کہ يَوْمَ الْفَصْلِ بھی ایک وقت مقرر ہے۔ چھ سو سال کی گرمی نے زمین کے بخارات کو اٹھا کر ابر رحمت محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں برسایا اور اس سے مردہ دلوں میں باغات بنا دیئے۔

3523۔ **عذاب دنیا کا نقشہ عذاب آخرت کے رنگ میں:** یہ دوسری حالت کا نقشہ کھینچا ہے، یعنی ﴿يَوْمَ الْفَصْلِ﴾ کا۔ سورت کے آخر پر ﴿اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا﴾ صاف بتاتا ہے کہ ان آیات میں عذاب دنیوی کا بھی ذکر ہے جو عذاب قیامت کا پیش خیمہ ہے۔ تو اس صورت میں فوج فوج ہو کر آنا ﴿يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ [النصر: 110:2] ''اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے۔'' کا مصداق ہے۔ اور آسمان کا کھولا جانا ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ﴾ [الفرقان: 25:25] ''جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا۔'' کا مصداق ہے اور پہاڑوں کے اڑائے جانے پر [دیکھو نمبر: 1623]۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ۙ﴿٢٤﴾ — نہ اس میں ٹھنڈک پائیں گے اور نہ پینے کی چیز۔

اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ۙ﴿٢٥﴾ — سوائے ابلتے ہوئے اور سخت ٹھنڈے پانی کے۔

جَزَآءً وِّفَاقًا ؕ﴿٢٦﴾ — بدلہ موافق (اعمال ہے)۔(3524)

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۙ﴿٢٧﴾ — کیونکہ وہ حساب کی امید نہ رکھتے تھے۔

وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ؕ﴿٢٨﴾ — اور ہماری آیتوں کو جھوٹ قرار دیتے ہوئے جھٹلاتے تھے۔(3525)

وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۙ﴿٢٩﴾ — اور ہر چیز کو ہم نے کتاب میں محفوظ کرلیا۔

ع 1 30 1 فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۧ﴿٣٠﴾ — سو چکھو، ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔(3526)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۙ﴿٣١﴾ — متقیوں کے لیے کامیابی ہے۔

حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ۙ﴿٣٢﴾ — باغ اور انگور۔

وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۙ﴿٣٣﴾ — اور نوجوان ہم عمر۔

3524۔ **جزا کا مطابق اعمال ہونا:** ﴿غَسَّاقً﴾ [دیکھو نمبر: 2854] ﴿وِّفَاقً﴾ [دیکھو نمبر: 654]۔ ﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾ ایک اصول عذاب کے معاملہ میں قائم کرتا ہے۔ عذاب میں ایک طرف حمیم یعنی ابلتا ہوا پانی ہے دوسری طرف ﴿غَسَّاقً﴾ یا شدت کا ٹھنڈا۔ یہ حقوق میں افراط وتفریط کا نتیجہ ہے۔ یا نفرت ومحبت میں حد سے نکل جانے کا نتیجہ۔ اور پہلی آیت میں ﴿بَرْدًا﴾ کے لیے [دیکھو نمبر: 2337]۔ مراد اس سے راحت کی زندگی ہے۔

3525۔ ﴿كِذَّابًا﴾۔ كِذَّابٌ اور تَكْذِيْبٌ کے ایک ہی معنی ہیں اور ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا﴾ [آیت: 35] میں یہی معنی ہیں۔ یعنی وہ ایک دوسرے کو نہیں جھٹلائیں گے۔ اور نفی تکذیب سے نفی کذب خود لازم آتی ہے۔ (غ)

3526۔ یہ بھی جزائے وفاق کے طور پر ہی ہے جس طرح مجرم ایک گناہ کر کے اس پر بڑھتا چلا گیا اسی طرح عذاب اس پر بڑھتا چلا جائے گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے۔ اوپر احقاب کا لفظ لا کر صاف بتا دیا کہ یہ ایک مدت معینہ ہے [دیکھو نمبر: 1937] و [نمبر: 1506]۔

وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ؕ﴿۳۴﴾
اور پاک پیالہ۔(3527)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ۚ﴿۳۵﴾
وہ اس میں لغو نہیں سنیں گے اور نہ جھٹلانا۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۙ﴿۳۶﴾
تیرے رب کی طرف سے بدلہ عطائے کافی۔(3528)

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۚ﴿۳۷﴾
آسمانوں اور زمین کا رب اور جو ان کے درمیان ہے۔ بے انتہا رحم والا، وہ اس سے کوئی بات نہیں کرسکیں گے۔(3529)

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾
جس دن روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ وہ کوئی بات نہ کرسکیں گے، سوائے اس کے کہ جسے رحمٰن اجازت دے اور وہ درست بات کہے۔(3530)

3527۔ ﴿كَوَاعِبَ﴾۔ كَاعِبٌ کی جمع ہے اور [جَارِيَةٌ كَاعِبٌ] اس لڑکی کو کہا جاتا ہے جس پر جوانی کا ابھار آ گیا ہو۔(ل)
﴿دِهَاقًا﴾۔ دِهَاقٌ۔ اِدْهَاقٌ پیالے کا اوپر تک بھرنا ہے اور دِهَاقٌ کے معنی بھرا ہوا بھی ہیں اور صَافِيْ بھی۔(ل)

3528۔ ﴿حِسَابًا﴾۔ حِسَابٌ یہاں بمعنی کافی ہے کیونکہ [حَسْبِيْ كَذَا] کے معنی ہیں وہ شے مجھے کافی ہے اور عمل بھی مراد لیا گیا ہے۔ کیونکہ منتہائے عمل حساب ہے۔(غ)

3529۔ ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا﴾۔ مِنْهُ خِطَابٌ کے لیے بیان مقدم ہے یعنی کسی قسم کا خطاب کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔

3530۔ ﴿صَوَابًا﴾۔ صَوَابٌ ایک شے کے اپنے نفس کے اعتبار کے لحاظ سے بھی ہوتا ہے۔ جب کوئی شے بروئے عقل و شریعت پسندیدہ اور محمود ہو تو اسے صَوَابٌ کہا جاتا ہے۔ اور صَوَابٌ یہ بھی ہوتا ہے کہ اپنے مقصود کو پالے خواہ مذموم ہو یا محمود۔(غ) اس کے لیے [دیکھو نمبر: 2842] یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔

فرشتوں اور روح کا قیام:

فرشتوں اور روح کے کھڑا ہونے پر [دیکھو نمبر: 3425] اور بیہقی کی روایت میں [الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ] (شُعَبُ الْإِيمَانِ لِلْبَيْهَقِيِّ، فصل فی معرفة الملائكة، جلد1، صفحہ 306) میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ ﴿الرُّوْحُ﴾ سے مراد [اَرْوَاحُ النَّاسِ] ہیں۔(ر) اور جیسا کہ نوٹ مذکور میں دکھایا گیا ہے اصل مراد مومنین کے ارواح ہیں اور فرشتوں کا ان

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾

یہ دن حق ہے۔سو جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنائے۔

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع 2/10/2

ہم تمہیں ایک قریب کے عذاب سے ڈراتے ہیں، جس دن انسان دیکھ لے گا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا۔اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔(3531)

کے ساتھ کھڑا ہونا اسی طرح ہے جس طرح جن وشیاطین بدکاروں کے ساتھ حاضر کیے جائیں گے۔

3531۔﴿عَذَابًا قَرِيْبًا﴾ سے مراد عذاب آخرت بھی لیا گیا ہے اور اس کا قرب اس کے تحقق کے لحاظ سے ہے اور قتادہ کے نزدیک یہ گناہ کی پاداش ہے جو قریب تر ہے اور مقاتل نے یوم بدر مراد لیا ہے۔(ر) اور ظاہر الفاظ اسی آخری معنی کو چاہتے ہیں یعنی عذاب دنیا کی طرف اشارہ ہے۔اور ﴿يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ﴾ اس پر بھی صادق آتا ہے۔اس لیے کہ یہ بھی ایک رنگ نتیجہ اعمال کا ظاہر کر دیتا ہے اور کافر اس وقت بوجہ ذلت کے چاہتے ہیں کہ مر کر مٹی ہو چکے ہوتے۔اگلی سورت کا مضمون بھی اسی معنی کو چاہتا ہے۔

اٰیَاتُھَا 46 (79) سُوْرَۃُ النّٰزِعٰتِ مَکِّیَّۃٌ (81) رُکُوْعَاتُھَا 2

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾	گواہ ہیں ڈوب کر نکال لینے والی۔
وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾	اور خوشی سے آگے چلنے والی۔
وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾	اور تیزی سے شغل میں لگ جانے والی۔
فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾	پھر سبقت کرتی ہوئی آگے بڑھ جانے والی۔
وقف لازم فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ﴿۵﴾	پھر معاملہ کی تدبیر کرنے والی (جماعتیں)۔[3532]

سورۃ النازعات

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلنّٰزِعٰتِ ہے اور اس میں 2 رکوع اور 46 آیتیں ہیں۔ نٰزِعٰتِ کے معنی اپنے آپ کو کھینچ کر نکال لینے والی جماعتیں ہیں اور اشارہ اس نام کے اختیار کرنے میں یہ ہے کہ مدارج روحانی کا یہ پہلا مرتبہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو خواہشات نفسانی سے کھینچ کر باہر نکال لے۔ پھر اس کے آگے دوسرے مراتب ہیں جو انسان کو اس کے کمال روحانی تک پہنچاتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی اشارہ ہے کہ اعدائے اسلام کے لیے سزا جو آنے والی ہے تو وہ جنگوں کے رنگ میں آنے والی ہے۔ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔ مضمون کا تعلق ظاہر ہے۔

3532۔ ﴿النّٰزِعٰتِ﴾۔ نَزْعٌ کے اصل معنی جَذْبٌ یعنی کھینچنا اور قلع یعنی جگہ سے نکال دینا ہیں۔ [نَزَعَ الْقَوْسَ] کمان کو کھینچا۔ اور انسان کے متعلق جب وہ کسی چیز سے محبت کرے اور اس کا نفس اسے اس کی طرف کھینچتا ہوا لے جائے کہا جاتا ہے۔ [یَنْزِعُ اِلَیْہِ نِزَاعًا] اور [نَزَعَ الْاِنْسَانَ اِلٰی اَھْلِہٖ] کے معنی ہیں [حَنَّ وَ اِشْتَاقَ] یعنی اپنے اہل کی طرف آرزو کی اور مشتاق ہوا۔ اور [نُزَّاعَ الْقَبَائِلَ] ان کے غربا کو کہا جاتا ہے یعنی ان لوگوں کو جو ان قبائل کی پناہ میں ہیں، مگر ان میں سے نہیں اور اس کا واحد نَازِعٌ ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا [طُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ] (مسند احمد، جلد 15، صفحہ 300،

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦ جس دن کانپنے والی کانپ اٹھے گی۔

حدیث: 7271)اورفرمایا کہ [غُرَبَاءَ نُزَّاعٌ]ہیں یعنی جوشخص اپنے اہل اور کنبہ سے دور ہوگیا اور غائب ہوگیا۔ گویا نُزَّاعٌ سے مراد مہاجرین ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے وطنوں کو ترک کردیا۔ اور [نَزَعَ فِي الْقَوْسَ] وتر قوس کو کھینچا اور [نَازِعَ رَامِيْ] یعنی تیر چلانے والے کو کہتے ہیں۔(ل)

﴿غَرْقًا﴾۔ غَرَقٌ پانی میں ڈوبنا ہے اور قرضہ یا اور مصائب میں مبتلا ہوجانے پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور [أَغْرَقَ النَّبْلَ] کے معنی ہیں [بَلَغَ بِهِ غَايَةَ الْمَدَّ فِي الْقَوْسِ] یعنی کمان میں جس قدر تیر کو کھینچا جا سکتا تھا کھینچا اور کہا جاتا ہے [نَزَعَ فِيْ قَوْسِهِ فَأَغْرَقَ] اور أَغْرَقَ کے معنی طَرَحَ بھی کیے گئے ہیں۔ یعنی تیر کو شدت نزع سے بہت دور پھینکا۔ یہاں غَرَقَ بمعنی اِغْرَاقٌ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے [لَقَدْ أَغْرَقَ فِي النَّزْعِ] (جامع الأحاديث، باب: مسند علی بن ابی طالب، جلد 30، صفحہ: 250) جس کے معنی ہیں [بَالَغَ فِي الْأَمْرِ وَانْتَهٰى فِيْهِ] یعنی ایک امر کو کمال کو پہنچایا اور اس کے انجام کو پہنچا۔(ل)

﴿نّٰشِطٰتِ﴾۔ نَشَاطُ ضد کسل ہے [نَشِطِ الْإِنْسَانَ] عمل کے لیے اپنے نفس کو طیب بنایا (یعنی خوشی سے ایک کام کو کیا) اور [نَشَطَتِ الْحَبْلَ] رسے کو کھول دیا اور [نَشَطَ الدَّلْوَ مِنَ الْبِئْرِ] یعنی بغیر وقفہ کے ایک ہی دفعہ ڈول کو کنویں سے کھینچ لیا۔(ل) اور نَشِطَ کی تخصیص اس بات پر تنبیہ ہے کہ ان پر وہ امر سہل ہے اس لیے کہ نَشِطَ وہ گانٹھ ہے جس کا کھولنا آسان ہے۔(غ)

مفسرین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

﴿نّٰزِعٰتِ﴾ سے مراد فرشتے ہیں جو کافر کی جان نکالتے ہیں یا موت یا ستارے جو افق سے افق کی طرف جاتے ہیں یا کمانیں۔ اور ﴿نّٰشِطٰتِ﴾ سے مراد فرشتے ہیں جو مومن کی روح قبض کرتے ہیں یا موت یا ستارے یا رسّے اور ﴿سّٰبِحٰتِ﴾ سے مراد ستارے یا فرشتے ہیں اور ﴿سّٰبِقٰتِ﴾ سے مراد فرشتے یا موت یا گھوڑے یا ستارے ہیں اور ﴿مُدَبِّرٰتِ﴾ سے مراد فرشتے ہیں یا ستارے۔(ج) اور ﴿نّٰزِعٰتِ﴾ کی تفسیر سدی سے مروی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ نفوس انسانی کی جماعت ہے جو مومنوں کے ساتھ اپنے رب کی طرف نکلتی ہے۔ اور ﴿نّٰشِطٰتِ﴾ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ وہ نفوس مومنہ ہیں جو موت کے وقت خوشی سے دوسرے عالم کی طرف انتقال کرتے ہیں۔ اور ﴿سّٰبِقٰتِ﴾ کی تفسیر ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ وہ نفوس انسانی ہیں جو قبض کے وقت ملائکہ کی طرف سبقت کرتے ہیں۔(ر) تو یوں یہ سب بزرگ ﴿نّٰزِعٰتِ۔ نّٰشِطٰتِ۔ سّٰبِقٰتِ﴾ کی تفسیر نفوس انسانی سے کرتے ہیں اس لیے ان سے مراد **نفوس انسانی کی ترقیات روحانی** بھی لی گئی ہیں، جو سلوک اور تطہیر ظاہر و باطن میں انہیں پیش آتی ہیں۔ یعنی وہ شہوات سے اپنے آپ کو باہر نکالتے ہیں اور عالم قدس کی طرف نشاط سے چلتے ہیں اور مراتب ارتقاء میں تیرتے ہیں اور کمالات کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ دوسروں کی تکمیل کرنے کے

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ۷ پیچھے آنے والی اس کے پیچھے آئے گی۔(3533)

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ۸ (کچھ) دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔

وقف لازم اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ۹ ان کی نظریں نیچی ہوں گی۔

اہل ہوجاتے ہیں۔(ر) اور ﴿نٰزِعٰتِ﴾ سے مراد لڑنے والے ہونا بھی عطا سے مروی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ کمانوں کو کھینچنے والے ہیں۔(ر) اور باقی صفات بھی انہی کی ہوسکتی ہیں۔اور جواب قسم یہاں محذوف ہے مگر اس کی طرف اشارہ ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ میں ہے اور اگر جواب قسم حقانیت بعثت کو بھی مانا جائے تو اس میں قیامت روحانی اور قیامت کبریٰ دونوں آجائیں گی۔اس لیے شہادت میں مومنین کی جماعتوں کو پیش کیا ہے اور لفظ ایسے اختیار فرمائے ہیں جو ان کے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے کمالات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔یعنی ظاہری رنگ میں جنگ کی طرف اشارہ ہے۔اور ﴿نٰزِعٰتِ﴾ سے مراد زبردست تیر چلانے والے ہیں اور ﴿نٰشِطٰتِ﴾ سے مراد خوشی سے دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلنے والے ہیں اور ﴿سٰبِحٰتِ﴾ سے مراد تیزی سے کام میں لگ جانے والے۔اور ﴿سٰبِقٰتِ﴾ سے مراد دشمن کی طرف سبقت کرنے والے اور ﴿مُدَبِّرٰتِ﴾ سے مراد امور جنگ و امور ملکی کی تدابیر کرنے والے اور کمالات روحانی کی رو سے وہ مطلب جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔اور ایک اور رنگ میں انسان کو توجہ دلائی ہے کہ اس کی کامیابی کا رستہ کیا ہے۔اس کی سب سے پہلی سیڑھی ﴿نٰزِعٰتِ﴾ کی ہے یعنی ایک امر کے اشتیاق میں ترقی کر کے اس شوق کو کمال تک پہنچانا جو غَرْقًا کا مصداق ہے اور دوسرا مرتبہ اس کا ﴿نٰشِطٰتِ﴾ ہے یعنی وہ بوجھ کے رنگ میں انسان نہ اٹھا رہا ہو بلکہ نشاط خاطر سے اس کی طرف متوجہ ہو اور تیسرا مرتبہ ﴿سٰبِحٰتِ﴾ کا ہے یعنی جس طرح پر پانی یا ہوا میں ایک جسم تیرتا ہے کہ رکاوٹ بہت کم ہوتی ہے، اسی طرح وہ عمل میں لگ جائے۔کیونکہ سَبَّحَ کے معنی عمل میں تیزی سے گزرنا ہیں اور یہ گویا تین ضروریات ہر امر کی ہیں امر دین ہو یا امر دنیا۔پہلا کمال اشتیاق اور محویت، دوسرا نشاط خاطر کا حاصل ہونا، تیسرا عمل میں تیزی سے لگ جانا اور باقی دو نتائج ہیں یعنی ایسے نفوس سبقت لے جاتے ہیں اور تدبیر امر کرنے کے بھی قابل ہوجاتے ہیں۔اور اصل غرض تو مومنوں کو توجہ دلانا ہے کہ دنیا میں خدا کا نام پھیلانے کے لیے کیا ضروریات ہیں۔امور دنیا ضمناً اس میں آجاتے ہیں۔

3533۔مفسرین نے ﴿تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ سے مراد نفخہ اولیٰ اور ﴿تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ سے مراد نفخہ ثانیہ لیا ہے۔مگر آگے آتا ہے ﴿قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ۸ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ﴾۔حالانکہ نفخہ ثانیہ کے ساتھ تو تباہی ہے، اس وقت ﴿قُلُوْبٌ وَّاجِفَةٌ﴾ اور ﴿اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ﴾ کہاں۔پس مراد رَجف سے جنگ کے ساتھ زمین کا کانپ اٹھنا ہے۔کیونکہ رَجف کے اصل معنی اضطراب شدید ہیں۔[دیکھو نمبر: 1113] اور ﴿تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ میں بتایا کہ ان جنگوں کے بعد وہ عظیم الشان مصیبت ان پر آئے گی جس سے ان کے دل پریشان اور آنکھیں نیچی ہوجائیں گی یعنی ان کی ذلت اور مغلوبیت۔

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝١٠
کہتے ہیں کیا ہم الٹے پاؤں لوٹائے جائیں گے۔(3534)

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝١١
کیا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے۔(3535)

وقف لازم
قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢
کہتے ہیں یہ لوٹنا نقصان والا ہے۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝١٣
وہ تو صرف ایک ڈانٹ ہوگی۔

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝١٤
اور وہ ایک میدان میں ہوں گے۔(3536)

وقف لازم
هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝١٥
تجھے موسیٰ کی خبر تو پہنچ چکی ہے۔

اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝١٦
جب اس کے رب نے اسے وادیٔ مقدس طویٰ میں پکارا۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝١٧
(کہ) فرعون کی طرف جا کہ وہ حد سے نکل گیا ہے۔

3534۔ ﴿حَافِرَةِ﴾۔ حَفِرَ کے معنی کھودنا اور حُفْرَةٌ مکان کے محفور کو یعنی کھودی ہوئی جگہ کو کہتے ہیں۔ ﴿شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ [آل عمران: 103:3] ''آگ کے گڑھے کے کنارے پر۔'' اور گھوڑے کے سم کو حَافِرٌ اسی لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی دوڑ میں جگہ کو کھودتا جاتا ہے اور ﴿لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ﴾ مثال کے طور پر ہے کہ جہاں سے آیا تھا وہیں لوٹایا گیا۔ یا حَافِرَةِ وہ زمین ہے جہاں ان کی قبریں تھیں اور مطلب یہ ہے کہ کیا ہم لوٹائے جائیں گے، حالانکہ ہم قبروں میں ہیں۔ (غ) اور عرب کہتے ہیں [أَتَيْتُ فُلَانًا ثُمَّ رُجِعْتُ عَلٰى حَافِرَتِيْ] یعنی میں فلاں کے پاس گیا پھر اسی رستہ پر واپس لوٹ گیا۔ اور حَافِرَةِ خلقت اولیٰ یعنی پہلی پیدائش ہے اور حَافِرَةِ کسی چیز میں عود کرنا ہے یہاں تک کہ اس کا آخر اس کے اول پر لوٹایا جائے اور یہاں مراد زندگی کی طرف لوٹایا جانا ہے۔ (ل) اور ﴿ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ﴾ سے نیا کلام شروع ہوتا ہے یعنی کافر اس وقت یوں کہہ رہے ہیں۔

3535۔ ﴿نَّخِرَةً﴾۔ نَخِيْرٌ ناک کی آواز کو کہتے ہیں اور [نَخِرَ الْعَظْمُ] سے مراد ہڈی پرانی ہوگئی اور بوسیدہ ہوگئی یا اندر سے خالی ہوگئی اور ہوا کے ساتھ اس میں سے آواز آنے لگی اور نَاخِرَةً اور نَخِرَةً کے ایک ہی معنی ہیں۔

3536۔ ﴿سَاهِرَةِ﴾۔ سَهَرٌ جاگنا ہے اور ﴿سَاهِرَةِ﴾ وجہ الارض ہے۔ کیونکہ وہ جانداروں کے سونے اور بیداری کی جگہ ہے یا بیابان ہے۔ (غ)

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾	اور کہہ کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تو پاک ہو؟
وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾	اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رستہ دکھاؤں، سو تو ڈرے۔
فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾	سو اس نے اسے بڑا نشان دکھایا۔
فَكَذَّبَ وَ عَصٰى ﴿٢١﴾	مگر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔
ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾	پھر وہ کوشش کرتا ہوا پھر گیا۔
فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾	پھر (لوگوں کو) جمع کیا اور پکارا۔
فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾	اور کہا میں تمہارا بڑا رب ہوں۔
فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾	سو اللہ نے اسے آخرت اور دنیا کی عبرتناک سزا میں پکڑا۔
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾ ع 1 26 3	اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرتا ہے۔
ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾	کیا پیدائش میں تم زیادہ سخت ہو یا آسمان؟ اس نے اسے بنایا۔
رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾	اس کی بلندی کو اونچا کیا، پھر اسے ٹھیک بنایا۔(3537)
وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾	اور اس کی رات کو اندھیری بنایا اور اس کی روشنی نکالی۔(3538)

3537۔﴿سَمْكَ﴾۔ سَمَكَ مچھلی ہے اور سَمَكَةٌ آسمان میں ایک برج کا نام ہے اور سَمْكٌ بلندی ہے۔(ل)
یعنی تم کیا چیز ہو۔ وہ بلند آسمان جن کی بلندی کی انتہا کو بھی تم نہیں پا سکتے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان اور اس کے قانون کے ماتحت ہیں۔ انسان اس کی فرمانبرداری اور اس کے قانون سے کس طرح نکل سکتا ہے۔

3538۔﴿اَغْطَشَ﴾۔ اَغْطَشَ کے معنی ہیں تاریک بنایا۔ اَغْطَشَ سے ہے جس کے معنی ہیں وہ شخص جس کی آنکھ میں ایک قسم کا اندھاپن

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ؕ﴿۳۰﴾	اور زمین کو اس کے بعد بچھایا۔(3539)
اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ۪﴿۳۱﴾	اس سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا۔
وَ الْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۙ﴿۳۲﴾	اور پہاڑوں کو مضبوط بنایا۔
مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ؕ﴿۳۳﴾	تمہارے لیے اور تمہارے چارپایوں کے لیے سامان۔
فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۫ۖ﴿۳۴﴾	سو جب غالب آنے والی مصیبت آجائے گی۔(3539ل)
يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۙ﴿۳۵﴾	جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی۔

ہے۔(غ)

3539۔ ﴿دَحٰى﴾ کے معنی ہیں [أَزَالَهَا عَنْ مَقَرِّهَا] اس کی جائے قرار سے اسے ہٹایا جیسے کہتے ہیں [دَحَا الْمَطَرُ الْحَصَى مِنْ وَجْهِ الْأَرْضِ] بارش نے کنکریوں کو زمین کی سطح سے ہٹا دیا۔(غ) دَحْوٌ کے معنی بَسِيْطٌ یعنی پھیلانا بھی ہیں اور پتھر وغیرہ کے پھینکنے پر بھی دَحْوٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔[هُوَ يَدْحُوْ بِالْحَجَرِ] کے معنی ہیں اس نے پتھر پھینکا۔(ل) اس لفظ کے اختیار کرنے میں ایک عظیم الشان علمی بات کی طرف توجہ دلائی ہے جس کا علم آج دنیا کو ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ **زمین اصل میں کسی بڑے جرم سماوی کا ایک حصہ ہے** جو اس سے الگ ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ اس کے گرد حرکت کرتا کرتا ٹھنڈا ہو گیا۔ دحی کے لفظ میں یوں علیحدہ کرنے کی طرف اور پتھر کی طرح پھینک دینے کی طرف اشارہ ہے۔ اور پھر ﴿بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ کہہ کر یہ بھی بتا دیا کہ زمین کا بننا بعد میں وقوع میں آیا اور پھر اگلی آیت میں ایک اور علمی انکشاف کی طرف توجہ دلائی ہے یعنی یہ کہ **پانی اور چارہ** یعنی سبزیاں وغیرہ جو اس زمین پر ہیں وہ **اسی زمین سے نکالے**۔ اور یہی آج علمی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ اول زمین پر پانی الگ ہوئے اور پھر ان پانیوں سے سبزیاں وغیرہ پیدا ہوئیں اور پھر پہاڑوں کو قائم کر کے اس پانی کے برسنے کا انتظام فرمایا۔ جس پر انسان کی زندگی اور معاش کا مدار ہے۔

3539ل ﴿طَآمَّةُ﴾۔ [طَمَّ الْمَآءُ] پانی چڑھ گیا اور بہت ہو گیا۔ اور ہر ایک چیز جو بہت ہو جائے اور غالب آجائے تو اس کے متعلق طَمَّ کہا جاتا ہے اور طَآمَّةُ وہ دَاهِيَةٌ یا عظیم الشان مصیبت ہے جو ہر چیز پر غالب آجائے۔ اور ﴿اَلطَّآمَّةُ﴾ قیامت کا نام بھی ہے۔ (ل) اس نام کے اختیار کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ وہ کامل انکشاف حقائق کا وقت ہو گا اور جو حالت انسان نے اس دنیا میں اپنے اندر پیدا کی ہے وہی حالت تمام باتوں پر غالب آکر کامل ظہور پکڑ لے گی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں اشارہ مصائب دنیوی کی طرف بھی ہو۔ الفاظ ﴿بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى﴾ اس دنیا کے مصائب کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔ اس صورت میں ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى﴾ سے نیا کلام شروع ہوتا ہے۔

وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾
اور دوزخ اس کے لیے ظاہر ہو جائے گی جو دیکھتا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾
سو جس نے سرکشی کی۔

وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾
اور دنیا کی زندگی کو مقدم کیا۔

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾
تو دوزخ ہی ٹھکانا ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾
اور جو اپنے رب کے آگے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اور نفس کو خواہش سے روکتا ہے۔(3540)

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾
تو بہشت ہی ٹھکانا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿٤٢﴾
وہ تجھ سے اس گھڑی کے متعلق سوال کرتے ہیں، کب اس کا قائم ہونا ہے؟

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾
اس بارے میں کہ تو اس کا یاد دلانے والا ہے۔(3541)

3540۔اس سے معلوم ہوا کہ اس سورت کی اصل غرض یہی نفس کو خواہشات سے روک کر اس کو ترقی دینا ہے اور ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ میں انہی ترقیات روحانی کی طرف اشارہ ہے۔

3541۔**آنحضرت ﷺ اور قرب ساعت:** اس کے ایک معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ ﴿فِيْمَ﴾ علیحدہ بطور سوال ہو یعنی پچھلی آیت کے سوال کی طرف اشارہ کر کے فرمایا [مَا هٰذَا السُّوَالَ] یہ سوال کس لیے ہے۔ ﴿اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا﴾ تو یعنی تیرا بھیجنا اس ساعت یعنی قیامت کے یاد دلانے والی چیزوں میں سے ہے۔ یعنی قرب ساعت کی آپ علامت ہیں اور دوسرے معنی وہ ہیں جو میں نے ترجمہ میں اختیار کیے ہیں۔ اور اس صورت میں ﴿فِيْمَ﴾ گویا عَمَّا کے قائم مقام ہے اور عَمَّا میں [مَا السَّاعَةُ] سے بدل ہے۔ یعنی اس چیز کے بارے میں کہ کب آئے گی؟ تجھ سے سوال کرتے ہیں۔ جس کے لیے تو یا تیرا ارسال ذِکْرٰی یعنی علامت ہے۔ اور اگلی آیت میں ﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا﴾ میں بتایا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف ہی منتہی ہوتا ہے۔

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۝۴۴

تیرے رب کی طرف اس کا انجام ہے۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۝۴۵

تو صرف اسے ڈرانے والا ہے جو اس سے ڈرتا ہے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا
عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝۴۶ ع 2/20/4

جس دن وہ اسے دیکھ لیں گے، گویا کہ صرف ایک شام یا
صبح ہی ٹھہرے تھے۔

آیاتھا 42 (80) سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ (24) رکوعاتھا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓى ① — تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② — اس لیے کہ اس کے پاس اندھا آیا۔(3542)

سورۃ عبس

تمہید سورت:

اس سورت کا نام عَبَسَ ہے اور اَلصَّآخَّةُ اور سَفَرَةٍ بھی اسے کہا جاتا ہے اور اس میں 42 آیتیں ہیں۔ سورت کا نام اس واقعہ سے لیا گیا ہے جو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رؤسائے قریش سے بات کر رہے تھے تو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کو اپنی طرف پھیرنا چاہا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ سورت اتاری اور بتایا کہ بڑے آدمیوں کی اتنی پروا نہ کرو کہ ان کی طرف توجہ کرنے سے اس کی طرف سے بے توجہی ہو جائے، جو خود سیکھنا چاہتا ہے۔ اور بتایا کہ غریب اور چھوٹے چھوٹے لوگ اس قرآن کریم کی بدولت عظیم الشان مرتبہ پر پہنچائے جائیں گے اور یہی اس سورت کا اصل مطلب ہے۔ یہ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

3542۔ **ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ:** ابن جریر نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى﴾ ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوا۔ وہ آیا اور کہنے لگا مجھے ہدایت دیجئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت چند مشرک رؤسا سے باتیں کر رہے تھے۔ پس آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور دوسروں کی طرف متوجہ رہے، تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ واقعہ تو بالکل ایک معمولی واقعہ ہے۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے، انہیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس سے باتیں کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے دخل دینے کو برا منایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ آپ بڑوں کی پروا کر کے چھوٹوں کی طرف سے بے توجہی نہ کریں، اس لیے کہ قرآن کریم انہی چھوٹے چھوٹے لوگوں کو بلند مقام پر پہنچا دے گا۔ اور آپ کی غرض چونکہ اصلاح ہے اس لیے آپ کو اس بات کا خیال نہ ہونا چاہئے کہ سوال کرنے والا بڑا ہے یا چھوٹا۔ جو کوئی قرآن کریم کو اپنا ہادی بنائے گا، جو کوئی نفس کو ہوا و حرص سے روک کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر جھکا دے گا وہی دنیا میں بھی بڑا ہو جائے گا۔ یوں ان الفاظ میں یہ خوش خبری دی کہ قرآن شریف انہی چھوٹے چھوٹے آدمیوں کو بلند مقامات تک پہنچا دے گا اور انہیں دنیا کے ہادی اور رہنما

وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى ۙ﴿۳﴾
اور تجھے کیا خبر ہے کہ شاید وہی پاکیزگی اختیار کرے۔

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ؕ﴿۴﴾
یا نصیحت قبول کرے۔ پس نصیحت اسے فائدہ دے۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۵﴾
جو پروا نہیں کرتا۔

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ؕ﴿۶﴾
تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔[3543]

وَ مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ﴿۷﴾
اور تجھ پر کیا (الزام) ہے اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ کرے۔

وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۙ﴿۸﴾
اور جو تیرے پاس دوڑتا آیا۔

وَ هُوَ يَخْشٰى ۙ﴿۹﴾
اور وہ ڈرتا ہے۔

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾
تُو اس سے بے رُخی کرتا ہے۔

كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ﴿۱۱﴾
یوں نہیں چاہئے، یہ ایک نصیحت ہے۔

وقف لازم
فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ﴿۱۲﴾
سو جو کوئی چاہے اسے یاد رکھے۔

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ﴿۱۳﴾
عزت والے صحیفوں میں۔

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ﴿۱۴﴾
(جو) بلند (اور) پاک (ہیں)۔

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ﴿۱۵﴾
لکھنے والوں کے ہاتھوں میں۔

بنادے گا۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وحی کا سرچشمہ آنحضرت ﷺ کا اپنا قلب مبارک نہ تھا، ورنہ اپنے متعلق ایسے الفاظ کو کون پسند کرتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے دنیا میں پڑھے جائیں۔

3543۔ ﴿تَصَدّٰى﴾۔ [دیکھو نمبر: 1229و] اور ﴿تَصَدّٰى﴾ کے معنی ہیں اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کیا یا اس کی طرف متوجہ ہوا۔ (ل)

كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾ (جو) معزز نیک (ہیں)۔(3544)

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿١٧﴾ انسان ہلاک ہو، کیسا ناشکرا ہے۔

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿١٨﴾ اسے کس چیز سے پیدا کیا۔

مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿١٩﴾ نطفہ سے اسے پیدا کرتا ہے پھر اسے طاقت دیتا ہے۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿٢٠﴾ پھر رستہ (اس کے لیے) آسان کر دیتا ہے۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿٢١﴾ پھر اسے مارتا ہے پھر قبر میں ڈالتا ہے۔(3545)

3544۔ **خادمان قرآن کے لیے عظیم الشان خوش خبری:** ان چھ آیات میں یہ عظیم الشان خوشخبری ہے کہ قرآن چونکہ خود ایک مکرم و مطہر چیز ہے، اس لیے اس کے لکھنے والے بھی نہ صرف کرام یعنی معزز ہوں گے بلکہ اعلیٰ درجہ کے راستباز بھی ہوں گے۔ دنیوی مرتبہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی راستبازی کو اگر کسی قوم نے جمع کیا تو وہ صرف مسلمان قوم ہے۔ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضوان اللہ علیہم اجمعین سب قرآن کریم کے کاتب اور اللہ تعالیٰ نے ان کو، ان کے ساتھ والوں کو ﴿كِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾ بنا کر دکھا دیا کہ وہ قرآن کے خدمت گزاروں کو کہاں تک پہنچا دیتا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿سَفَرَةٍ﴾ سے مراد کاتب قرآن ہی لیے ہیں اور قتادہ نے قاری اور بعض نے ملائکہ بھی مراد لیے ہیں۔ اور وہب بن منبہ نے ﴿سَفَرَةٍ﴾ سے صحابہ کو مراد لیا ہے کیونکہ وہ سفیر ہیں آنحضرت ﷺ اور امت کے درمیان۔ (ر)

3545۔ ﴿اَقْبَرَهٗ﴾۔ اَقْبَرَ۔ قَبْرٌ وہ جگہ ہے جہاں میت کو رکھا جاتا ہے اور اَقْبَرْتُهٗ کے معنی ہیں اس کے لیے جگہ بنائی جس میں وہ دفن کیا جائے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ اسے الہام کیا کہ کس طرح دفن کرے۔ اور مَقْبَرَۃٌ قبروں کی جگہ ہے جمع مَقَابِرُ۔ ﴿زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ [التکاثر: 2:102] ''تم قبروں کو دیکھتے ہو۔'' اور یہ موت سے کنایہ ہے۔ اور ﴿مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ [فاطر: 22:35] ''تو انہیں سنانے والا نہیں جو قبروں میں ہیں۔'' میں مراد وہ لوگ ہیں جو مُردوں کے حکم میں ہیں۔ [اَلَّذِيْنَ فِيْ حُكْمِ الْاَمْوَاتِ] یعنی جاہل۔ (غ) اور ﴿اَقْبَرَهٗ﴾ سے مراد حالت قبر میں رکھنا بھی ہوسکتا ہے جسے برزخ سے تعبیر کرنا چاہئے۔ یعنی وہ حالت جو موت اور قیامت کے درمیان ہے۔

﴿ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ﴾ میں مجاہد کا قول ہے کہ یہ ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ﴾ [الدھر: 3:76] ''ہم نے اسے رستہ دکھا دیا ہے۔'' کی طرح ہے یعنی سبیل خیر کا آسان کرنا مراد ہے۔ (ج)

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾	پھر جب چاہے گا اسے اٹھا کھڑا کرے گا۔
كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾	یوں نہیں وہ پورا ہی نہیں کرتا جو اسے حکم دیتا ہے۔
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾	پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے۔
اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾	(پہلے) ہم خوب پانی برساتے ہیں۔
ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾	پھر ہم زمین کو شق کرتے ہوئے پھاڑتے ہیں۔
فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾	پھر ہم اس میں غلہ اگاتے ہیں۔
وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾	اور انگور اور ترکاری۔
وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾	اور زیتون اور کھجور۔
وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾	اور گھنے باغ۔
وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾	اور پھل اور چارہ۔ (3546)
مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾	تمہارے لیے اور تمہارے چارپایوں کے لیے سامان۔
فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾	سو جب بہرا کردینے والی مصیبت آئے گی۔ (3547)
يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾	جس دن انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا۔

3546۔ ﴿قَضْبٌ﴾ ترکاری کو کہتے ہیں اور قَضِيْبٌ کا استعمال درخت کی شاخوں میں ہے اور قَضْبٌ کا ترکاریوں میں۔ (غ)
﴿غُلْبًا﴾۔ غَلَبَ غالب آیا۔ اور غُلْبٌ اَغْلَبُ کی جمع ہے جس کے معنی گھنا ہیں۔ (ل) اَبٌّ چارہ کو کہتے ہیں۔ (غ)

3547۔ ﴿صَآخَّةُ﴾۔ صَخَّ لوہے کا لوہے پر مارنا ہے اور ہر ایک ایسی آواز کو صَخٌّ کہا جاتا ہے اور صَآخَّةُ وہ آواز ہے جو قیامت لانے والی ہوگی۔ کیونکہ وہ کانوں کو بہرا کردے گی اور صَآخَّةُ ہر ایک بڑی مصیبت کو بھی کہا جاتا ہے۔ (ل)

وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِۙ ﴿٣٥﴾

اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے۔

وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِؕ ﴿٣٦﴾

اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِؕ ﴿٣٧﴾

ہر انسان کے لیے اس دن ایک کام ہوگا جو اسے کافی ہوگا۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌۙ ﴿٣٨﴾

(کچھ) منہ اس دن چمک رہے ہوں گے۔

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌۚ ﴿٣٩﴾

خوش، خوشخبری کو پالینے والے۔

وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌۙ ﴿٤٠﴾

اور (کچھ) منہ اس دن ایسے ہوں گے کہ ان پر غبار ہوگا۔

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌؕ ﴿٤١﴾

سیاہی ان پر چھائی ہوگی۔

ع 1 42 5 اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ۠ ﴿٤٢﴾

یہی کافر بدکار ہیں۔ (3548)

3548۔ ﴿مُّسْفِرَةٌ﴾۔ سَفْرٌ [دیکھو نمبر: 225] پردہ کا دور کرنا ہے اور اَسْفَارٌ رنگ سے مخصوص ہے ﴿وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ﴾ [المدثر: 34:74] ''اور صبح جب روشن ہو۔'' یعنی اس کا رنگ روشن ہو جائے۔ (غ) ﴿عَلَيْهَا غَبَرَةٌ﴾ [دیکھو نمبر: 1117] مراد ان کا غم کی وجہ سے متغیر ہونا ہے۔

موت کے ساتھ بھی انسان اپنے تعلق والوں سے بھاگتا ہے، بڑی مصیبت پر بھی اور قیامت کو بھی بھاگے گا۔ اور جن دو گروہوں کا نقشہ کھینچا ہے تو ایک طرف وہ ہیں جن کے چہروں پر بوجہ کامیابی کے اور پہلی خوشخبریوں کو پالینے کے خوشی ہے اور دوسرا وہ گروہ ہے جن کے چہروں پر غم اور ذلت کے آثار ہیں اور یہ قیامت میں تو ہوگا ہی، یہاں بھی ناکامی پر دشمن سیاہ رو ہوئے۔ اور قیامت میں بھاگنے سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک نفس کو اپنی ذمہ داری کا اس قدر فکر ہوگا کہ دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہو سکے گا۔

اٰيَاتُهَا 29 (81) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (7) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۪ۙ﴿۱﴾	جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔
وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۪ۙ﴿۲﴾	اور جب تارے جھڑ جائیں گے۔
وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۪ۙ﴿۳﴾	اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔
وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۪ۙ﴿۴﴾	اور جب اونٹنیاں بے کار کر دی جائیں گی۔
وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۪ۙ﴿۵﴾	اور جب وحشی اکھٹے کیے جائیں گے۔
وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۪ۙ﴿۶﴾	اور جب دریا خشک کر دیئے جائیں گے۔
وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۪ۙ﴿۷﴾	اور جب لوگ باہم ملا دیئے جائیں گے۔
وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۪ۙ﴿۸﴾	اور جب زندہ درگور کی ہوئی سے پوچھا جائے گا۔

سورۃ التکویر

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلتَّکْوِیْرِ ہے اور اس میں 29 آیتیں ہیں اور اس میں پہلے مذاہب کی صف لپیٹنے کا ذکر ہے جس کے لحاظ سے اس کا نام اَلتَّکْوِیْرِ ہے۔ اور اسلام کے ساتھ جو علمی ترقیات دنیا میں پیدا ہونے والی تھیں، انہیں یہاں بطور پیشگوئی بیان کیا ہے۔ اور خلاصہ مضمون اس سورت کا یہی ہے کہ قرآن کریم کے ذریعہ سے دنیا میں علم اور شرف پھیلیں گے۔ گویا پہلی سورت کے مضمون کو ہی جاری رکھا ہے۔ یہ سورت بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۚ﴿۹﴾	کس گناہ پر وہ قتل کی گئی۔
وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۪ۙ﴿۱۰﴾	اور جب صحیفے پھیلا دیئے جائیں گے۔
وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۪ۙ﴿۱۱﴾	اور جب آسمان کی کھال اتاری جائے گی۔
وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۪ۙ﴿۱۲﴾	اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی۔
وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۪ۙ﴿۱۳﴾	اور جب بہشت قریب لائی جائے گی۔ (3549)

3549۔﴿اِنْكَدَرَتْ﴾۔ كَدَر، صَفَآء کی ضد ہے اور كُدْرَةٌ بالخصوص رنگ میں ہوتی ہے اور كُدُوْرَةٌ پانی میں اور زندگی میں اور اِنْكِدَارٌ وہ تغیر ہے جو ایک چیز کے بکھر جانے سے ہو۔ (غ)

﴿عِشَارٌ﴾۔ عَشَرَاءُ کی جمع ہے، دس ماہ کی حاملہ اونٹنی۔ (غ) اور اسے اعلیٰ درجہ کا مال سمجھا جاتا ہے۔

﴿وُحُوْشٌ﴾۔ وَحْشٌ کی جمع ہے۔ ان حیوانات کو کہا جاتا ہے جو انسان سے انس نہیں رکھتے۔ (غ)

﴿مَوْءٗدَةٌ﴾۔ وَأْدٌ بلند سخت آواز کو کہتے ہیں اور زندہ درگور کرنے کو۔ اور ﴿مَوْءٗدَةٌ﴾ وہ ہے جو زندہ درگور کی گئی ہو۔ (ل)

﴿كُشِطَتْ﴾۔ كَشْطٌ کے معنی ہیں ایک چیز کو اکھیڑ دیا یا کھینچ لیا یا اس کا پردہ اتار دیا۔ (ل)

قیامت کبریٰ اور اس دنیا کے واقعات کی خبروں کو ملانے میں حکمت:

جہاں جہاں قیامت کے متعلق یا موجودہ نظام عالم کے درہم برہم ہونے کے متعلق ذکر قرآن کریم میں آتا ہے تو وہ الفاظ ایک رنگ میں اس دنیا کے بعض واقعات پر بھی صادق آتے ہیں، جیسا کہ کئی جگہ دکھایا جا چکا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے اس حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے دونوں قسم کے نشانوں کو ملا دیا ہے۔ یعنی ایک وہ نشان ہے جو قیامت کبریٰ سے تعلق رکھتے ہیں اور صرف مجازاً اس دنیا کے بعض واقعات پر چسپاں ہو سکتے ہیں اور ایک وہ نشان جو صراحت سے اس دنیا کے بعض واقعات کے متعلق ہیں۔ اور اس دنیا میں ظاہر ہونے والے امور غیبی کے متعلق ان نشانات کا ہونا [آیت: 24] سے صفائی سے ثابت ہے، جہاں یہ بتا دیا کہ ان آیات میں بہت سے امور غیبی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سورج کی تکویر اور ستاروں کا جھڑ جانا اس نظام عالم کا درہم برہم ہونا ہے۔ مگر مجازاً اس سے مراد ہو سکتی ہے نظام روحانی میں ایک خلق عظیم کا واقعہ ہونا۔ جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ آخری زمانہ میں علم اٹھا لیا جائے گا اور تاروں کا جھڑ جانا [أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ] (جامع الأصول فی احادیث الرسول، جلد 8، صفحہ 556) کی طرف اشارہ ہے، یعنی علمائے دین کی حالت کا خراب ہو جانا، یا سورج کے لپیٹ لینے اور تاروں کے جھڑ جانے میں پہلے نظام روحانی کی صف کا لپیٹ لیا جانا ہے اور اس کی جگہ ایک نیا نظام قائم کیا جانا ہے جس کے

عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ؕ﴿۱۴﴾ ہر شخص جان لے گا کہ کیا لایا ہے۔

نشانات کا ذکر آگے آتا ہے۔ پہاڑوں کے دور کیا جانے پر دیکھو [نمبر: 1623] اور [نمبر: 2101]۔ اونٹنیوں کا بیکار ہو جانا قیامت کی تباہی سے کوئی تعلق نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ جب نظام عالم ہی تباہ ہو جائے تو اونٹنیوں کے بیکار ہونے کے کیا معنی۔ بلکہ یہ صرف **اس دنیا کے متعلق ایک پیشگوئی ہے** اور اس کا وہی مطلب ہے جو حدیث میں آتا ہے: [وَلَتُتْرَكَنَّ الْقِلاَصُ فَلاَ يُسْعَى] (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب: نُزُولِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ حَاكِمًا بِشَرِيعَةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ، حديث: 408) اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان پر سواری نہیں کی جائے گی۔ اور یہ ایک پیشگوئی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ نئی سواری نکل آئے گی اور اونٹنیوں سے وہ کام نہ لیا جائے گا جو وہ پیشگوئی کے وقت دے رہی ہیں۔ چنانچہ خود ملک عرب میں ریل کے بن جانے سے یہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے اور قریب زمانہ میں بالکل واضح ہو جائے گی۔ وحشیوں کے اکٹھا کرنے سے مفسرین نے مراد ان کی موت لی ہے، مگر ظاہر ہے کہ اس ذکر کی ضرورت کچھ نہ تھی۔ وحشیوں کی موت کا ذکر کیوں ضروری ہوا؟ یہاں حُشِرَ سے مراد ان کا اجتماع معلوم ہوتا ہے اور دنیا کی اس حالت کی طرف اشارہ ہے جب انسان وحشی جانوروں کو بھی اکٹھا کرے گا۔ جیسے آج جگہ جگہ چڑیا گھروں میں وہ اکٹھے کیے گئے ہیں اور یا مراد استعارۃً وحشی قومیں ہیں۔ اور اشارہ یہ ہے کہ ان میں بھی تعلیم پھیل کر وہ مہذب ہو جائیں گی۔ ﴿اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ﴾ کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ دریا بھر جائیں گے یا خشک ہو جائیں گے اور یوں بھی کہ شہر بھر جائیں گے اور ان کے بھرنے سے مراد مدنی زندگی کا ترقی کر جانا ہے اور اسی کی طرف وحشیوں کے حشر میں بھی اشارہ ہے۔ اور دنیا کا میلان اسی طرف بڑھتا جا رہا ہے کہ شہروں میں کثرت سے لوگوں کا اجتماع ہوتا چلا جائے اور اس کو ﴿اِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ﴾ نے اور بھی صاف کر دیا ہے۔ اس کے معنی مفردات میں دو طرح پر کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ روحیں جسموں کے ساتھ ملائی جائیں اور دوسرے یہ کہ ہر گروہ اپنی مثل کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اور دوسرے معنی ہی زیادہ موزوں ہیں۔ اور یہ الفاظ بھی حالت زمانہ پر بھی صادق آتے ہیں کہ ہر قسم کے لوگ ایک ایک گروہ بنتے چلے جاتے ہیں یا دنیا کے لوگوں کا باہم میل جول مراد ہے۔ اور اس کے بعد زندہ درگور کا ذکر آتا ہے۔

عرب میں یہ رواج تھا کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اس بے رحمی کی رسم کو اسلام نے دور کیا اور سوال کرنے سے مطلب اس کا روکنا ہی ہے۔ ورنہ اگر جزا و سزا کا ذکر ہو تو سوال گاڑنے والے سے ہونا چاہئے۔ اور اس کی ابتدا گو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے ہی ہو گئی لیکن اس کو آخری زمانہ کے نشانات میں رکھا ہے۔ اس لیے کہ اسی قسم کی بعض اور رسوم کا مٹانا جن میں انسان کو بے گناہ مارا جاتا ہے اس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے، بالخصوص ستی کی رسم یعنی بیوہ عورت کا خاوند کے ساتھ جلایا جانا جو ہندوؤں میں چلی آتی تھی کہ وہ زندہ درگور کرنے کی سی ہی رسم تھی۔ اور یوں بھی ان نشانات کا ذکر کرنا جن کی ابتدا آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے ہو گئی، [أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ] (صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ، حديث: 6504) کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد صحیفوں کا پھیلنا ہے۔ سو جس قدر کتابیں اور رسالے اور اخبارات آج چھپے ہیں وہ ﴿اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ﴾ کی حقیقت کو اس قدر واضح کر رہے ہیں کہ مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ اور پھر آسمان کے پردہ

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۙ﴿۱۵﴾	نہیں میں پیچھے ہٹنے والوں کی قسم کھاتا ہوں۔
الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۙ﴿۱۶﴾	چلنے والوں، چھپنے والوں کی۔
وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۙ﴿۱۷﴾	اور رات کی جب وہ جانے لگے۔
وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ﴿۱۸﴾	اور صبح کی جب وہ طلوع کرے۔ (3550)

کے دور کرنے کا ذکر ہے۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ آسمان کی حقیقت منکشف ہوتی چلی جائے گی اور یہ علوم کی ترقی کی طرف اشارہ ہے اور اس کے بعد پھر قیامت کے ذکر کی طرف منتقل کر دیا۔ یعنی دوزخ کی آگ کا بھڑکایا جانا اور جنت کا قریب لایا جانا۔ جس طرح سب سے پہلی دو آیتوں میں قیامت کا ذکر ہی اصل مقصود تھا، اسی طرح یہاں آخری دو آیات میں اسی ذکر کو دہرایا ہے اور مجازاً یہ بھی اس دنیا کے واقعات پر لگ سکتے ہیں۔ دوزخ کی آگ کا بھڑکایا جانا یہی ہے کہ حرص و ہوا تیز ہو جائے اور مال دنیا کی محبت ایک دوزخ کی طرح انسانوں پر حاوی ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی جنت کا قریب لایا جانا ہے۔ کیونکہ دنیا کی محبت کا دوزخ خود بخود انسانوں کی طبائع کو روحانیات کی طرف پھیرے گا اور پھر اصل حقیقت ان پر منکشف ہو جائے گی۔ اور ذکر قیامت کے ساتھ ان نشانات کا بطور پیشگوئی بیان کرنا جو اسی دنیا میں واقع ہونے والے تھے۔ قرآن کریم کے اس اسلوب کے مطابق ہے کہ آخرت کے وعدوعید کے اثبات کے لیے اس دنیا میں کچھ وعدو وعید کر کے انہیں پورا کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ نشانات جو اس آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہونے والے تھے ان کے متعلق علم غیب کا اظہار کر کے یہ بتا دیا ہے کہ قیامت کے متعلق جو کچھ بھی فرمایا وہ بھی واقع ہو کر رہے گا۔ اور خصوصیت سے جن باتوں کا ذکر اس آخری زمانہ کے متعلق کیا ہے وہ نئی سواریوں کا نکلنا، وحشی اقوام کا اجتماع برنگ تمدن وتہذیب (یورپ کے لوگ اس وقت جب یہ پیشگوئی کی گئی وحشیوں سے کم نہ تھے)، شہروں کا بھر جانا، لوگوں کا باہمی میل جول، وحشیانہ مظالم کا جو عورتوں پر کیے جاتے تھے دور ہونا، اخباروں، کتابوں کا دنیا میں پھیل جانا، علوم کی ترقی ہیں۔ اور ان تمام باتوں کے لحاظ سے جیسا صاف نقشہ اس زمانہ کا قرآن شریف نے آج سے تیرہ سو سال پیشتر کھینچا وہ اس کی حقانیت پر تا قیامت گواہ رہے گا۔ نیز دیکھو اگلا نوٹ۔ ان عجیب ترقیات علمی کا یہاں کیوں ذکر کیا؟ اس لیے کہ فی الحقیقت **قرآن کریم کا ان ترقیات کے ساتھ ایک عظیم الشان تعلق ہے** اور ان کی بنیاد قرآن کریم نے ہی رکھی ہے۔ کیونکہ جس قدر علوم کو قرآن کریم نے دنیا میں پھیلایا اور کسی آسمانی کتاب نے اس کا لاکھواں حصہ بھی کر کے نہیں دکھایا۔ علوم کا دنیا میں پھیلانا یہ قرآن کریم کے عظیم الشان کارناموں میں سے ہے۔ اسی لیے سورت کے آخر پر فرمایا کہ یہ قرآن تمام قوموں کے لیے ذکر یعنی موجب شرف ہے۔

3550۔ ﴿خُنَّسِ﴾۔ خَنَسَ ہٹ گیا اور پیچھے رہ گیا۔ اور حدیث میں [اَلشَّيْطَانُ يُوَسْوِسُ اِلَى الْعَبْدِ فَإِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ]

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۱۹﴾ یہ یقیناً معزز رسول پر (اترا ہوا) کلام ہے۔

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ﴿۲۰﴾ طاقت والے صاحب عرش کے نزدیک مرتبے والے پر۔

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ؕ﴿۲۱﴾ جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور امین۔

(لسان العرب: جلد 6، صفحہ 71، زیر لفظ خُنَّسْ) شیطان بندے کی طرف وسوسہ ڈالتا رہتا ہے، پھر جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور شیطان کو خَنَّاس اسی لحاظ سے کہا ہے ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ﴾ [الناس: 114:4] ''پیچھے ہٹ جانے والے کے وسوسہ کے شر سے۔'' اور خُنَّسْ۔ خَانَسْ کی جمع ہے یعنی پیچھے ہٹنے والے۔ (ل)

﴿كُنَّسِ﴾۔ [كَنَسَ الظَّبْيُ] ہرن غائب ہو گیا اور اپنے کناس میں چھپ گیا۔ اسی سے كَانِسٌ ہے جس کی جمع كُنَّسٌ ہے یعنی غائب ہو جانے والے۔ (ل)

﴿عَسْعَسَ﴾ کے معنی اَقْبَلَ بھی ہیں یعنی آئے اور اَدْبَرَ بھی یعنی چلی جائے۔ کیونکہ عَسَاسٌ اندھیرے کے ہلکا ہونے کا نام ہے۔ (غ)

﴿تَنَفَّسَ﴾۔ نَفَسٌ کشادگی کو کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے [لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ، فَإِنَّهَا مِنْ نَفَسِ الرَّحْمٰنِ] (سنن نسائی الکبریٰ، باب: مَا يَقُوْلُ إِذَا هَاجَتِ الرِّيْحَ وَذِكْرِ الْاِخْتِلَافُ عَلَى الزُّهْرِيِّ فِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ فِيْ ذٰلِكَ، جلد 6، صفحہ 232) یعنی ایسی چیز جس سے کرب دور ہوتا ہے۔ اور دن کا تَنَفَّسَ اس کا تَوَسَّعَ ہے یعنی فراخ ہونا اسی سے یہاں ہے۔ اور مُنَافَسَةٌ نفس کا مجاہدہ ہے جو اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے ساتھ تشبہ کے لیے کیا جائے اور ان کے ساتھ ملنے کے لیے بغیر کسی کو ضرر پہنچانے کے۔ ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ [التطفیف: 26:83] ''اور اس میں چاہئے کہ رغبت کرنے والے رغبت کریں۔''

آفتاب صداقت کا طلوع:

﴿خُنَّسْ۔ جَوَارِ۔ كُنَّسِ﴾ تینوں سیاروں کے لیے ہیں۔ خنس میں اشارہ ان کی عجیب حرکت فلکی کی طرف ہے کہ آگے بڑھتے بڑھتے پیچھے ہٹنے لگتے ہیں۔ جوار میں ان کے تیز گزرنے کا ذکر ہے۔ کنس میں اشارہ ان کے غائب ہونے کی طرف ہے۔ مراد اس سے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد لیے گئے ہیں۔ یا نظام شمسی کے سب سیارے مراد ہو سکتے ہیں۔ اور اصل منشا سیاروں کا غائب ہونا ہے جو طلوع فجر سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ رات کے پیچھے ہٹنے اور صبح کے نمودار ہونے کا ذکر کر کے خود ہی بتا دیا۔ گویا بتایا کہ آفتاب صداقت طلوع ہو گیا ہے اور سب تاریکیاں اس کے سامنے کافور ہو جائیں گی۔ پیچھے ہٹنے والے خناس شیاطین بھی اسی تاریکی کے فرزند تھے اور کاہن وغیرہ بھی۔ اور ﴿الْجَوَارِ الْكُنَّسِ﴾ سے مراد مذاہب ہو سکتے ہیں جن کے اب

وَ مَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿ۚ۲۲﴾ اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں۔

وَ لَقَدۡ رَاٰہُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ ﴿ۚ۲۳﴾ اور یقیناً اس نے اپنے آپ کو کھلے انتہائی مقام پر دیکھا۔

وَ مَا ہُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ﴿ۚ۲۴﴾ اور وہ غیب پر بخیل نہیں۔(3551)

وَ مَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ﴿ۙ۲۵﴾ اور یہ مردود شیطان کا کلام نہیں۔

فَاَیۡنَ تَذۡہَبُوۡنَ ﴿ؕ۲۶﴾ سو تم کدھر جاتے ہو۔(3552)

اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۙ۲۷﴾ وہ سب قوموں کے لیے شرف ہے۔

لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّسۡتَقِیۡمَ ﴿ؕ۲۸﴾ اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔

وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ؒ۲۹﴾ اور تم نہیں چاہتے سوائے اس کے کہ اللہ جہانوں کا رب چاہے۔

ع 1 29 6

غروب ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ اور ایک قول میں مراد اس سے بقر وحشی یا ہرن ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ مراد وہ چیزیں ہوں جن کا تاریکی سے تعلق ہے اور جواب قسم ہے کہ یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے یعنی آنحضرت ﷺ کا [دیکھو نمبر: 3421]۔ اور رسول کریم ﷺ کی صفات ﴿کَرِیۡمٍ۔ ذِیۡ قُوَّۃٍ۔ مَکِیۡنٍ۔ مُّطَاعٍ۔ اَمِیۡنٍ﴾ کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ یہی صفات یہ دوسروں میں پیدا کرے گا اور دنیا میں اس قرآن کی بدولت علم اور قوت کی ترقی ہو گی۔ چنانچہ ایسے ہی نشانات کی طرف پہلی آیات میں توجہ بھی دلائی ہے۔

3551۔ ﴿ضَنِیۡنٍ﴾۔ ضَنَّۃٌ نفیس شے کے متعلق بخل ہے اور ﴿ضَنِیۡنٍ﴾ بخیل ہے۔ (غ) یہ اشارہ ان امور غیبی کی طرف ہے جو اوپر بیان ہوئے اور ﴿رَاٰہُ﴾ میں دونوں ضمیریں آنحضرت ﷺ کی طرف ہی جاتی ہیں۔ اور مراد آپ کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر ہونا ہے۔ [دیکھو نمبر: 3197]

3552۔ یعنی اپنی عزت اور شرف کی باتوں کو چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو؟ ﴿ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ میں اس کو اور بھی کھول دیا۔

آیاتھا 19 (82) سُوۡرَۃُ الۡاِنۡفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ (82) رکوعاتھا 1

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿۱﴾	جب آسمان پھٹ جائے گا۔
وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ ۙ﴿۲﴾	اور جب ستارے پھیل جائیں گے۔
وَ اِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۙ﴿۳﴾	اور جب دریا بہا دیئے جائیں گے۔
وَ اِذَا الۡقُبُوۡرُ بُعۡثِرَتۡ ۙ﴿۴﴾	اور جب قبریں کھول دی جائیں گے۔ (3553)

سورۃ الانفطار

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلۡاِنۡفِطَارِ ہے اور اس میں 19 آیتیں ہیں۔ ابتدائی مکی زمانہ کی سورت ہے اور لفظ اِنۡفِطَارِ میں سورت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ کس طرح روحانی بارش سے قوائے انسانی نشوونما پا کر کمالات انسانی کا ظہور ہوتا ہے۔

3553۔ **قبروں سے نکالا جانے سے مراد:** ﴿بُعۡثِرَتۡ﴾ یہاں فراء نے اس کے معنی کیے ہیں سونا اور چاندی جو اس کے پیٹ میں ہے وہ نکالا جائے گا اور مُردوں کا نکلنا اس کے بعد ہے۔ اور یہ [اَشۡرَاطُ السَّاعَۃَ] میں سے ہے کہ زمین اپنے اندر جو معدنیات ہیں انہیں نکال دے۔ اور زجاج نے ﴿بُعۡثِرَتۡ﴾ کے معنی کیے ہیں ان کی مٹی الٹا دی جائے گی۔ اور [بَعۡثَرۡتَ الشَّیۡءَ] کے معنی ہیں میں نے اسے نکالا اور اسے ظاہر کر دیا۔ ﴿اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ﴾ [العادیات: 9:100] ''جب وہ جو قبروں میں ہیں باہر نکالے جائیں گے۔'' کے معنی ہیں جو ان میں ہے نکالا جائے گا۔ (ل) اور یہ مؤخر الذکر بعث کی طرف اشارہ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ رازوں کے ظاہر ہونے کی طرف کیونکہ انسان کی حالت جب تک وہ دنیا میں ہے مستور ہے، گویا کہ وہ قبر میں ہے۔ پس قُبُوۡرٌ استعارہ کے طور پر ہے اور یہ بھی معنی کیے گئے ہیں کہ جہالت موت کے ساتھ دور ہو جائے گی۔ (غ) اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جہالت علم کے ساتھ دور ہو جائے گی۔ قبر پر [دیکھو نمبر: 3545]۔

ہو سکتا ہے کہ ان تمام امور میں استعارہ ہے۔ آسمان کے پھٹنے سے مراد بارش کا نزول ہے اور مراد بارش روحانی ہے۔ ستاروں کے پھیلنے سے مراد علم دین کی روشنی والوں کا دنیا میں پھیل جانا ہے۔ دریاؤں کے بہانے سے علوم کے دریاؤں کا بہانا مراد ہے

عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ ؕ﴿۵﴾	ہر شخص جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور (جو) پیچھے رکھا۔
یٰۤاَیُّہَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الۡکَرِیۡمِ ۙ﴿۶﴾	اے انسان! تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟
الَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰىکَ فَعَدَلَکَ ۙ﴿۷﴾	جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے حکمت سے بنایا، پھر تجھے اعتدال پر بنایا۔ (3554)
فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ﴿۸﴾	جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا۔ (3555)
کَلَّا بَلۡ تُکَذِّبُوۡنَ بِالدِّیۡنِ ۙ﴿۹﴾	یوں نہیں بلکہ تم جزا کو جھٹلاتے ہو۔
وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ﴿ۙ۱۰﴾	اور یقیناً تم پر حفاظت کرنے والے ہیں۔
کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ﴿ۙ۱۱﴾	معزز لکھنے والے۔
یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾	وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ (3556)

اور قبروں کے کھول دینے سے ان لوگوں کا روحانیت کی زندگی پا لینا جو گویا قبروں میں دبے ہوئے تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ سب قیامت کے متعلق ہو۔

3554۔ ﴿عَدَلَ﴾ کسی چیز کے برابر کیا یا پھیرا۔ اور [عَدَلْتُ الشَّیْءَ فَاعْتَدَلَ] کے معنی ہیں [سَوَّیْتُہُ فَاسْتَوٰی] یعنی حالت اعتدال پر بنایا۔ (ل) تسویۃ میں اشارہ کمال کی طرف ہے اور عدل میں اعتدال کی طرف۔ ﴿غَرَّکَ﴾ میں توجہ دلائی ہے کہ ایسے کمال کی حالت پر پیدا کیا، مگر تم اپنی زندگی کی غرض محض کھانے پینے تک محدود سمجھتے ہو۔ ﴿بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ﴾ میں اشارہ اسی مکرمت کی طرف ہے۔

3555۔ ﴿رَکَّبَ﴾۔ [رَکَّبَ الشَّیْءَ] ایک چیز کے بعض کو بعض پر رکھا۔ اور یہی معنی تَرَاکُب کے ہیں۔ ﴿حَبًّا مُّتَرَاکِبًا﴾ [الانعام: 99:6] ''گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔'' (ل)

3556۔ ﴿کِرَامًا کَاتِبِیْنَ﴾: یہ حافظ وہی اعمال کی حفاظت کرنے والے ہیں جن کا ذکر [نمبر: 1605] میں گزر چکا۔ اعمال کی ذمہ داری

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۚ﴿۱۳﴾ — یقیناً نیک نعمتوں میں ہوں گے۔

وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۚۖ﴿۱۴﴾ — اور بدکار یقیناً دوزخ میں ہوں گے۔

یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۱۵﴾ — جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے۔

وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ؕ﴿۱۶﴾ — اور وہ اس سے غائب نہیں ہوں گے۔(3557)

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۙ﴿۱۷﴾ — اور تجھے کیا معلوم ہے جزا کا دن کیا ہے؟

ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ؕ﴿۱۸﴾ — پھر تجھے کیا معلوم ہے جزا کا دن کیا ہے؟

یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ وَ — جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کوئی اختیار نہ رکھے گا

ع 1/19/7 الْاَمْرُ یَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۠﴿۱۹﴾ — اور حکم اس دن اللہ ہی کا ہوگا۔(3558)

کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ منشا نہیں کہ ہماری طرح قلم و دوات سے لکھتے ہیں۔ اصل غرض حفاظت اعمال ہے۔

3557۔ **اس دنیا میں بھی دوزخ ہے:** دونوں طرح معنی کیے گئے ہیں۔ وہ اس سے غائب نہیں ہوں گے یعنی ہر وقت دوزخ میں رہیں گے یا دخول جہنم تو اسی وقت ہوگا مگر پہلے بھی اس سے غائب نہ تھے۔ اور اشارہ عذاب قبر کی طرف سمجھا گیا ہے۔ مگر دوزخ کی ابتدا اسی دنیا سے ہوتی ہے۔

3558۔ **قیامت کے دن الامر للہ سے مراد:** حکم تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ہے مگر توجہ اس طرح دلائی ہے کہ یہاں تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اختیار دیا ہے کہ ایک کام کو کرے یا نہ کرے لیکن وہ نتائج کا وقت ہوگا۔ اس وقت یہ اختیار کسی کو نہیں ہوگا کہ اپنے کیے کا نتیجہ بھگتے یا نہ بھگتے۔

اٰيَاتُهَا 36 (83) سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ (86) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝۱ — کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے۔(3559)

الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝۲ — جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا کر لیتے ہیں۔

وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّ زَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝۳ — اور جب انہیں ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝۴ — کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے؟

لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵ — ایک بڑے دن کے لیے۔

سورۃ المطفّفین

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلتَّطْفِيْف ہے اور اس میں 36 آیتیں ہیں۔ تَطْفِيْف معاملہ یا ادائیگی حقوق میں کمی کرنا ہے۔ اور اس سورت میں بتایا ہے کہ وہ قویٰ جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دیئے ہیں انہیں مناسب محل پر استعمال نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسے آدمیوں کے اعمال ایک قید خانہ میں رہ جاتے ہیں یعنی ترقی کے قابل نہیں ہوتے۔ اور جو ان قویٰ کو استعمال کرتے ہیں وہ بلند سے بلند ترقی کے مقامات پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ سورت بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔ اسے سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ بھی کہا جاتا ہے۔

3559۔﴿مُطَفِّفِيْنَ﴾۔ [طَفَّ الشَّيْءُ] اور اَطَفَّ چیز قریب ہوگئی اور [اَطَفَّ فُلَانٌ لِفُلَانٍ] اسے دھوکہ دینے کا ارادہ کیا اور [طَفَّفَ عَلَى الرَّجُلَ] اسے اس سے کم دیا جتنا اس سے لیا تھا۔ اور ماپ تول میں کمی تَطْفِيْف ہے۔ اور ایک شخص نے نماز سے غفلت کا ذکر کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے کہا طَفَّفْتَ جس کے معنی ہیں نَقَصْتَ یعنی تو نے ادائیگی حقوق میں کمی کی۔ (ل) اور گو آگے ماپ اور تول کا ذکر ہے مگر اس کا استعمال بھی تمام معاملات پر ہے۔ [دیکھو نمبر: 1120] اور یہاں ہر قسم کی کمی کرنے والے مراد ہیں، حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں۔ وَيْلٌ سے مراد ہے کہ انجام ان کا اچھا نہیں۔

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦	جس دن لوگ جہانوں کے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے۔
كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝٧	ہرگز نہیں، بدکاروں کے اعمال قید خانے میں ہیں۔ (3560)
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨	اور تو کیا جانتا ہے قید خانہ کیا ہے؟
كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩	وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔
وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔
الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١	جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔
وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢	اور اسے کوئی نہیں جھٹلاتا مگر ہر حد سے بڑھنے والا گنہگار۔

3560۔ ﴿سِجِّيْنٌ﴾۔ سَجَنَ قید کیا۔ سِجْنٌ قید خانہ۔ ﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ﴾ [یوسف: 33:12] ''اے میرے ربّ! مجھے قید اس سے زیادہ پسند ہے۔'' اور ﴿سِجِّيْنٌ﴾ اسی سے فعیل ہے اور اس کے معنی سِجْنٌ یا قید خانہ ہیں اور جہنم میں ایک وادی ہے اور ہر چیز سے سخت کو سِجِّيْنٌ کہا جاتا ہے۔ اور یہاں معنی کیے گئے ہیں کہ ان کی کتاب قید خانہ میں ہوگی بوجہ ان کی خساست مرتبہ کے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ایک پتھر میں ہوگی جو ساتویں زمین کے نیچے ہے اور حساب بھی معنی کیے گئے ہیں۔ ابن عرفہ کہتے ہیں وہ ان پر روک رکھی گئی ہے تا کہ اس کے مطابق بدلہ دیا جائے۔ اور حدیث ابوسعید میں ہے [وَيُؤْتِيْ بِكِتَابِهٖ مَخْتُوْمًا فَيُوْضَعُ فِي السِّجِّيْنِ] (لسان العرب: جلد 13، صفحہ 203، زیر لفظ سجن) (ل)

کتاب فجار کے سجین میں ہونے سے مراد:

فجار وہی لوگ ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کمی کرتے ہیں اور دنیا پر جھکے رہتے ہیں۔ ان کی کتاب سے مراد ان کے اعمال ہیں، جیسا کہ پچھلی سورت میں ذکر تھا کہ کراماً کاتبین جو کچھ انسان کرتا رہتا ہے اسے لکھتے جاتے ہیں۔ تو جن لوگوں کے اعمال صرف اسی دنیوی زندگی تک محدود ہوتے ہیں وہ گویا ایک قید خانہ میں رہ جاتے ہیں یعنی کسی ترقی کے قابل نہیں رہتے۔ گویا ان کا ترقی سے رکنا ہی سِجِّيْنٌ ہے۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۱۳

جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، کہتا ہے پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۱۴

ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے عملوں کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔(3561)

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۱۵

ہرگز نہیں وہ اپنے رب سے اس دن اوجھل میں ہوں گے۔

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۱۶

پھر وہ ضرور دوزخ میں داخل ہوں گے۔

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۱۷

پھر کہا جائے گا یہ ہے جسے تم جھٹلاتے تھے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۱۸

ہرگز نہیں، نیکوں کے اعمال بلند مقامات پر ہیں۔(3562)

3561۔ **دل پر زنگ کس طرح بیٹھتا ہے:** ﴿رَانَ﴾۔ رَیْنٌ طبع اور میل ہے اور وہ زنگ جو تلوار اور شیشہ پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور رَیْنٌ دل کی سیاہی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اس سے توبہ کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر پھر گناہ کرے تو ایک اور نقطہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ آخر کار دل سیاہ ہو جاتا ہے۔(ل)

یہاں بتایا کہ گناہ سے انسان کا دل سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کی صفائی اور جلا باقی نہیں رہتی۔ اس لیے اگلی آیت میں اس کا نتیجہ بتایا ہے کہ وہ اپنے رب سے محجوب ہیں، کیونکہ ان کے دل سیاہ ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے اعلیٰ درجہ کا صاف دل بکار ہے۔ اور پھر ان کا جہنم میں داخل ہونا ضروری ہے تاکہ وہ زنگ جو انہوں نے خود اپنے اعمال سے لگا لیا ہے دور ہو جائے۔

3562۔ ﴿عِلِّيِّيْنَ﴾ کہا گیا ہے کہ یہ سب سے اعلیٰ درجہ کا بہشت ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ فی الحقیقت اس کے رہنے والوں کا نام ہے اور یہ عربیت میں قریب تر ہے۔ اس لیے کہ یہ جمع (یعنی ون یا ین) ناطقوں سے مخصوص ہیں اور اس کا واحد عِلِّيٌّ ہے۔ تو مطلب یہ

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾	اور تجھے کیا معلوم ہے بلند مقامات کیا ہیں؟
كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾	وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔
يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾	جسے مقرب موجود پائیں گے۔
اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾	یقیناً نیک بندے نعمتوں میں ہوں گے۔
عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾	تختوں پر دیکھ رہے ہوں گے۔
تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾	تُو ان کے چہروں پر نعمتوں کی تازگی معلوم کرے گا۔
يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾	انہیں ایک خالص پینے کی چیز پلائی جائے گی، جس پر مہر لگی ہوئی ہے۔(3563)

ہے کہ نیک لوگ ان اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جیسے ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾[النساء: 4:69]''تو یہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا۔''(غ) اور ﴿عِلِّيِّيْنَ﴾ سے مرد[اَعْلَى الْاَمْكَنَةَ] ہیں یعنی اعلیٰ درجہ کے مکان اور اس کی جمع نون کے ساتھ اس لیے آئی ہے کہ جب کسی چیز میں واحد اور تثنیہ کی بنا نہ ہو تو اسے نون سے جمع کیا جاتا ہے۔اور مطلب عِلِّيُّوْنَ سے[شَيْءٌ فَوْقَ شَيْءٍ] ہے۔اور شاعر کے قول میں وَابِلِيْنَ، وَابِلٌ کی جمع آئی ہے جہاں مراد بارش کے بعد بارش غیر محدود طور پر ہے۔اسی طرح عِلِّيُّوْنَ سے مراد اس سے[اِرْتِفَاعٌ بَعْدَ اِرْتِفَاعٍ] بلندیوں پر بلندیاں ہیں۔اور ابو اسحاق نے بھی ﴿عِلِّيِّيْنَ﴾ کے معنی[اَعْلَى الْاَمْكِنَةَ] ہی کیے ہیں۔(ل)

ابرار کی کتاب کے علیّون ہونے سے مراد:

یہ گویا ﴿سِجِّيْنٌ﴾ کے مقابل پر ہے۔فجار جو دنیا کی زندگی پر گرے رہتے ہیں ان کے مقابل پر ابرار ہیں جو نیکی میں وسعت اختیار کرتے ہیں، ان کے اعمال ﴿عِلِّيُّوْنَ﴾ میں ہونا بیان کر کے یہ سمجھایا ہے کہ وہ ایک بلندی کے بعد دوسری بلندی کی طرف غیر محدود طور پر ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔جیسا کہ لسان العرب میں اس کے معنی کیے گئے ہیں۔جس طرح دنیاداروں کے اعمال قید خانہ میں رہ جاتے ہیں، نیکوں کے اعمال ترقی پر ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔اور یہ گویا مقربین بارگاہ الٰہی ہیں، کیونکہ اصل ذکر مقصود اعلیٰ شے اعلیٰ کمال کا ہے۔

3563۔﴿رَّحِيْقٍ﴾ زجاج کہتے ہیں یہ وہ شراب ہے جس میں کوئی غِش نہیں یعنی اعلیٰ درجہ کی صاف اور اسے ﴿مَّخْتُوْمٍ﴾ کہا ہے۔یعنی وہ

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ ؕ﴿۲۶﴾
اس کی مہر مشک کی ہے اور اس میں چاہئے کہ رغبت کرنے والے رغبت کریں۔

وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۙ﴿۲۷﴾
اور اس کی ملاوٹ اس پانی سے ہے جو بلندیوں سے بہتا ہے۔(3564)

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ﴿۲۸﴾
وہ ایک چشمہ ہے جس سے مقرب پیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۫﴿۲۹﴾
جو مجرم ہیں وہ ان پر جو ایمان لائے ہنسا کرتے تھے۔

وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۫﴿۳۰﴾
اور جب ان پر گزرتے تو آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔(3565)

وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۫﴿۳۱﴾
اور جب اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ کر جاتے (تو) اتراتے ہوئے لوٹتے۔

محفوظ رکھی گئی ہے۔(ل) جیسے ان کے اعمال خالص اور محفوظ ہیں ویسے ہی جزا ہے۔اور یہ شراب محبت الٰہی وہ اس دنیا میں بھی پیتے ہیں اور اگلی آیت میں اس کی مہر کو ﴿مِسْكٌ﴾ یعنی مشک کہا ہے۔اس لیے کہ باوجود ان کے اصل نتائج اعمال کے بند ہونے کے وہ اپنی خوشبو دوسروں کو پہنچاتے ہیں۔

3564۔﴿تَسْنِيْمٍ﴾۔ سَنَامٌ اونٹ کی کوہان کو کہا جاتا ہے۔اور ہر چیز کا سَنَامٌ اس کا سب سے اونچا حصہ ہے اور یہاں ﴿تَسْنِيْمٍ﴾ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جنت میں پانی ہے جس کا یہ نام رکھا گیا ہے، اس لیے کہ وہ چوباروں اور محلات کے اوپر سے بہے گا۔ اور بعض نے اسے جنت میں ایک چشمہ کا نام سمجھا ہے۔لیکن اگر یہ معرفہ ہوتا تو غیر منصرف ہوتا۔پس اس کے معنی ہیں ایسا پانی جو بلندیوں سے ان کے اوپر بہتا ہے۔(ل) اور پانی چونکہ حیات کا موجب ہے اس لیے اونچائی سے بہنے والے پانی میں بھی اشارہ ان کے مراتب عالیہ کی طرف ہے۔

3565۔﴿يَتَغَامَزُوْنَ﴾ آنکھ اور ابرو اور پلک کے ساتھ اشارہ کرنا ہے۔(ل) یہ وہ اشارہ ہے جو استہزا اور عیب جوئی کے لیے ہو۔

وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ | اور جب انہیں دیکھتے کہتے، یہ یقیناً گمراہ ہیں۔

وَ مَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ | اور وہ ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ | سو آج جو ایمان لائے، وہ کافروں پر ہنستے ہیں۔(3566)

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ | تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔

ع 1 36 8 هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ | کافروں کو وہی بدلہ ملا جو وہ کرتے تھے۔

3566۔**مومنوں کے کفار پر ہنسنے سے مراد:** یہ کلام بطور مجاز ہے، فی الحقیقت ہنسنا مراد نہیں۔ کیونکہ مومن تو اس دنیا میں بھی کافر کی مصیبت پر ہنستا نہیں، بلکہ اس سے ہمدردی کرتا ہے یا اس پر افسوس کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ اپنے آپ کو دنیا میں بڑے عالی مرتبہ اور مومنوں کو حقیر سمجھ کر ان پر ہنستے تھے قیامت کے دن یہ حالت تبدیل ہو جائے گی۔ مومن تو مراتب عالیہ پر ہوں گے اور کافر ذلت کی حالت میں ہوں گے، گویا کہ وہ ہنسی کا مقام بن گئے۔

اٰیَاتُھَا 25 (84) سُوْرَۃُ الْاِنْشِقَاقِ مَکِّیَّۃٌ (83) رُکُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾	جب آسمان پھٹ جائے گا۔
وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ﴿۲﴾	اور اپنے رب کی بات سنے گا اور وہ اسی لائق ہے۔
وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾	اور جب زمین پھیل جائے گی۔
وَ اَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَ تَخَلَّتْ ﴿۴﴾	اور جو اس کے اندر ہے وہ نکال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔
وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ﴿۵﴾	اور اپنے رب کی بات کو سنے گی اور وہ اسی لائق ہے۔(3567)

سورۃ الانشقاق

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْاِنْشِقَاقِ ہے اور اس میں 25 آیتیں ہیں۔ اِنْشِقَاقِ کے لفظ میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام ترقیات کسی انشقاق سے وابستہ ہیں۔ جس طرح آسمان کے انشقاق سے جو بارش سے وقوع میں آتا ہے زمین کی مخفی طاقتیں ترقی پذیر ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انشقاق روحانی وحی کے رنگ میں واقع ہوتا ہے، تو انسانوں کی مخفی طاقتیں ظہور پذیر ہو کر اور ایک قیامت روحانی قائم ہو کر قیامت کبریٰ کے وجود پر نشان ٹھہرتی ہے۔ یعنی اسی طرح آخر کار کل انسانوں کے قوائے مخفی ظہور پذیر ہوں گے۔ یہ سورت بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے اور اس میں انسان کی ان ترقیات کے ساتھ اسلام کی ترقیات کی بشارت عظمٰی ہے۔

3567۔ **قیامت انسان کی مخفی طاقتوں کے ترقی پذیر ہونے کا نتیجہ ہے:** یہ سب نشانات قیامت کبریٰ کے ہو سکتے ہیں اور اس سورت میں زمین کے پھیل جانے سے مراد یہ لی گئی ہے کہ اس کی وسعت بڑھا دی جائے گی۔ اور ﴿اَلْقَتْ مَا فِیْهَا﴾ سے یہ کہ

یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدۡحًا فَمُلٰقِیۡهِ ۚ﴿۶﴾

اے انسان! تو سخت کوشش کر کے اپنے رب کی طرف پہنچنے والا پھر اسے ملنے والا ہے۔(3568)

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ ۙ﴿۷﴾

سو جس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی،

فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ۙ﴿۸﴾

تو اس کا حساب بھی آسان لیا جائے گا۔

وَّ یَنۡقَلِبُ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ﴿۹﴾

اور وہ اپنے ساتھیوں کی طرف خوش خوش لوٹ جائے گا۔

وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهۡرِهٖ ۙ﴿۱۰﴾

اور جس کی کتاب اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دی گئی۔

فَسَوۡفَ یَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا ۙ﴿۱۱﴾

تو وہ موت مانگے گا،

وَّ یَصۡلٰی سَعِیۡرًا ؕ﴿۱۲﴾

اور دوزخ میں داخل ہوگا۔

مردے نکال دے گی۔ مگر ہوسکتا ہے کہ یہ قیامت روحانی کے قیام پر بطور شہادت ایک امر پیش کیا گیا ہے۔ اور آسمان کے انشقاق سے مراد بارش کا اترنا اور زمین کے پھیلنے سے مراد اس کا سبزیوں وغیرہ سے بڑھنا اور پھولنا ہو۔ جیسے دوسری جگہ ہے ﴿فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَ رَبَتۡ﴾ [الحج: 5:22] ''پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے۔'' اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح آسمان کے پانی برسانے سے زمین کی مخفی طاقتیں باہر نکل آتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی روحانی بارش سے انسان کی مخفی طاقتیں باہر نکل آتی ہیں اور وہ جیسا کہ اگلی آیت میں ہے خدا کے رستہ میں کوشش کرتا کرتا اللہ تعالیٰ کو پالیتا ہے۔ اور اسی معنی کی تائید ﴿لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ﴾ کے پہلے معنی سے ہوتی ہے۔ اور فی الحقیقت ان مخفی طاقتوں کا ترقی پذیر ہونا قیامت روحانی کو ہی نہیں بلکہ قیامت کبریٰ کو بھی چاہتا ہے۔ اس لیے کہ سب لوگوں میں یہ طاقتیں اس عالم میں ترقی پذیر نہیں ہوئیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ دوسرے عالم میں ان کی کامل ترقی ہوتی۔ اور ﴿مَا فِیۡهَا﴾ سے مراد زمین کی اندرونی طاقتوں کا باہر نکل آنا ہوگا اور بعض نے اَلۡقَا سے خزانوں کا دجال کے وقت میں باہر نکالنا مراد لیا ہے۔ (ر) اور اخبار غیبی کے نشانات قیامت کے ساتھ ملانے پر [دیکھو نمبر: 3549] اور اس معنی کی ﴿لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ﴾ کے دوسرے معنی سے تائید ہوتی ہے۔

3568۔ ﴿كَادِحٌ﴾۔ کَدۡحٌ کے معنی کوشش اور مشقت ہیں۔ (غ) یعنی اللہ تعالیٰ کا صرف نام لے لینے سے اللہ نہیں ملتا، بلکہ یہاں بھی مجاہدہ کی ضرورت ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ۝۱۳	وہ (پہلے) اپنے ساتھیوں میں خوش تھا۔
اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۛ۝۱۴	اس کا خیال تھا کہ وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔(3569)
بَلٰٓى ۛ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ؕ۝۱۵	ہاں اس کا رب اسے دیکھنے والا ہے۔
فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ۝۱۶	سو نہیں میں شام کی سرخی کی قسم کھاتا ہوں۔
وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۙ۝۱۷	اور رات کی اور اس کی جسے وہ جمع کرتی ہے۔
وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۙ۝۱۸	اور چاند کی جب وہ کامل ہوتا ہے۔
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ۝۱۹	تم ضرور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف چڑھو گے۔(3570)

مُعَانَقَة 17

3569۔یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر آنے پر یقین نہ رکھتا تھا، اس لیے اس کے لیے عمل بھی کوئی نہ کیا۔کتاب کے دائیں یا پیٹھ پیچھے دیا جانے پر[دیکھو نمبر: 1858]۔

3570۔﴿وَسَقَ﴾۔ وَسَقَ متفرق چیزوں کا جمع کرنا ہے اور اس لیے ایک اندازہ معین کو بھی کہتے ہیں جو ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔ اور یہاں ﴿مَا وَسَقَ﴾ سے مراد [مَا جَمَعَ مِنَ الظُّلَّامِ] یعنی تاریکیاں جو وہ جمع کرتی ہے یا رات کے حادثات مراد ہیں۔ اور اِتِّسَاقٌ اجتماع ہے (ع) اور [اِتَّسَقَ الْقَمَرِ] کے معنی ہیں اِسْتَوٰی یعنی کامل ہو گیا اور [اِتِّسَاقِ قَمَرِ] اس کا بھر جانا اور اس کا اجتماع اور اس کا کامل ہونا ہے جو تیرھویں اور چودھویں رات کو ہوتا ہے۔(ل)

[دیکھو نمبر: 3387] ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ سے مراد ہے انسان کا درجہ بدرجہ ترقی کرنا اور شفق۔اور پھر رات کا تاریکیوں کو جمع کرنا، پھر چاند کا کمال کو پہنچنا، ظاہر مناظر قدرت ہیں کہ اسی طرح **انسان بھی روحانی طور پر ترقی کرتا ہے،** شفق کی حالت گویا اسی دنیا کے آخری اوقات سے مشابہ ہے۔اور موت کے بعد کی حالت رات کی تاریکی سے مشابہ ہے اور پھر چاند کی طرح کمال کو پہنچنا ہے جو جنت کی حالت سے مشابہ ہے۔اور مجاہد سے شفق کے معنی [كُلُّ النَّهَارُ] مروی ہیں۔(ج) اور بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقیات کا ذکر ہے اور معنی [حَالًا بَعْدَ حَالٍ] ہی کیے ہیں اور مطلب یہ لیا گیا ہے کہ آپ کا امر بتدریج ترقی کرے گا یعنی پہلے مغلوبیت کی حالت ہوگی، پھر برابری کی، پھر غلبہ کی۔اور اصل میں مراد امر اسلام ہے جو سب کو شامل کرتا ہے یعنی **امر اسلام ترقی کرتے کرتے آخر سب ظلمتوں کو دور کر دے گا** اور بدر کامل کی طرح ہو جائے گا۔گو درمیان میں رات کی تاریکیوں کی طرح اس پر مشکلات کا زمانہ بھی آ جائے۔

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۲۰﴾
سو انہیں کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے؟

وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۩﴿۲۱﴾
اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔

السجدۃ 13

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۖ﴿۲۲﴾
بلکہ کافر جھٹلاتے ہیں۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ۖ﴿۲۳﴾
اور اللہ اسے جانتا ہے جو وہ دلوں میں رکھتے ہیں۔ (3571)

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۲۴﴾
سو انہیں دردناک عذاب کی خبر دے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۧ﴿۲۵﴾
ہاں جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کے لیے اجر ہے جو ختم نہ ہوگا۔

ع 1 25 9

3571۔ ﴿بِمَا يُوْعُوْنَ﴾ ۔اِيْعَاءٌ [دیکھو نمبر: 1570] یہاں مراد دلوں میں کچھ باتوں کا بند رکھنا ہے، خواہ وہ منصوبے ہوں جو اسلام کے خلاف اسلام کے دشمن رکھتے ہیں یا ان کے کینے۔ اور یہ معنی ﴿لَتَرْكَبُنَّ﴾ کے دوسرے معنی کے مطابق ہیں۔ اور یا مراد ان قویٰ کا بند رکھنا ہیں جنہیں وہ ترقی سے روکتے ہیں اور یہ ﴿لَتَرْكَبُنَّ﴾ کے پہلے معنی کے مطابق ہے۔ اور ابن زید نے اعمال سوء کا جمع رکھنا مراد لیا ہے۔ (ر) اور ﴿عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ کی بشارت میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ **عذاب الیم روحانی ترقیات کا راستہ** کھولنے کے لیے ایک ضروری چیز ہے۔ یعنی جو لوگ یہاں ان ترقیات کے لیے مجاہدہ نہیں کرتے جیسا کہ ﴿كَدْحًا﴾ کے لفظ میں اشارہ ہے، انہیں دوسرے عالم میں ان مجاہدات کی جگہ عذاب میں سے گزرنا پڑے گا۔

اٰیَاتُھَا 22 (85) سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَکِّیَّةٌ (27) رُکُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱	ستاروں والا آسمان گواہ ہے۔
وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲	اور وعدے کا دن۔
وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳	اور گواہ اور جس کی گواہی دی گئی۔
قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴	خندق والے ہلاک ہوگئے۔(3572)

سورة البروج

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْبُرُوْجِ ہے اور اس میں 22 آیتیں ہیں۔ لفظ بروج میں اشارہ ایک قوم کے ملک عرب میں پیدا ہونے کی طرف ہے جو اس ملک کو اسی طرح بھر دے گی جس طرح ستاروں نے آسمان کو بھرا ہوا ہے۔ کیونکہ ستارے رات کے وقت روشنی کا موجب ہوتے ہیں اور صحابہ نے بھی روشنی کو دنیا میں پھیلایا۔ اور مخالفین کا ذکر بھی کیا کیونکہ وہ اس قوم کو مٹانے کی کوشش کرنے والے تھے۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور ابتدائی زمانہ کی ہے۔

3572۔ یہاں تین چیزوں کو گواہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اول برجوں والا آسمان اور ﴿بُرُوْجِ﴾ سے مراد ستارے ہیں [دیکھو نمبر: 696]۔ اور یہاں مجاہد سے یہی معنی مروی ہیں۔ (ج) دوم یوم موعود ہے جس سے فصل قضاء کا دن مراد لیا گیا ہے۔ مگر فصل قضاء سے مراد اس دنیا میں حق و باطل کے فیصلہ کا وقت ہی ہوسکتا ہے یا وہ دن جب حق ظاہر ہوجائے اور اس کے رستے سے رکاوٹیں دور ہوجائیں۔ اگر قیامت کا دن مراد لیا جائے تو اسے گواہ کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ سوم شاہد اور مشہود میں اول سے مراد جمعہ کا دن ہے یا آنحضرت ﷺ یا خود انسان یا اللہ تعالیٰ لیا گیا ہے۔ اور دوم سے مراد یوم عرفہ یا قیامت کا دن۔ اور ان تین کی شہادت کو اس بات کے متعلق پیش کیا گیا ہے کہ خندق والے ہلاک ہوگئے۔ **خندق والوں کے متعلق بھی مختلف اقوال ہیں۔** بعض کے نزدیک جن مومنوں کے ان کے ہاتھ سے قتل کا ذکر ہے وہ بقایائے مجوس میں سے اہل کتاب تھے۔ اور بعض کے نزدیک بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تھے اور خیال کیا جاتا ہے کہ دانیال بھی ان میں سے تھے۔ (ج) اور صہیب کی روایت مسلم

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ﴿۵﴾ آگ والے جس میں ایندھن ڈالا جاتا ہے۔(3573)

وغیرہ میں ہے کہ ایک لڑکا ایک کاہن کے پاس جایا کرتا تھا پھر اسے ایک راہب مل گیا اور اس کے پاس جانے لگا بالآخر بادشاہ نے ان سب کو مروادیا اور جب لوگوں کا رجوع ان باتوں کی طرف دیکھا تو ایک خندق کھدوا کر اور اس میں آگ جلوا کر ایسے لوگوں کو اس میں ڈال دیا۔ اور بعض کے نزدیک ذونواس ایک یہودی بادشاہ تھا جس نے عیسائیوں کو آگ میں جلوادیا۔ (ر) اور بائبل میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ بخت النصر شاہ بابل نے تین یہودیوں سدرک، میسک اور عبیدنجو کو اس قصور پر کہ وہ بادشاہ کے بنائے ہوئے بت کو سجدہ نہ کرتے تھے آگ کی جلتی ہوئی بھٹی میں ڈلوادیا مگر ان کا کچھ نقصان نہ ہوا۔ دیکھو دانیال تیسرا باب۔ اور یہاں توجیہ یوں بھی کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اعدا بھی اسی طرح ہلاک کیے جائیں گے جس طرح خندق والے ہلاک ہوئے، جنہوں نے پہلے خدا پرستوں کو تکلیف پہنچائی۔ پس ہوسکتا ہے کہ ﴿اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴾ میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ یہ آئندہ کے متعلق پیشگوئی ہو۔ ورنہ شہادت کا پیش کرنا بے معنی ہے۔ ایک ﴿اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴾ تو وہ تھے جن کے مقابل پر نبی کریم ﷺ کو مدینہ کے گرد خندق کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کرنا پڑا اور ایک ﴿اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴾ وہ ہیں جن کی تمام جنگیں آج خندق میں ہوتی ہیں۔ اور دونوں جگہ مومنوں کو تکلیف محض اس لیے پہنچائی جاتی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لانے والی قوم ہے۔ اور یا ﴿اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴾ سے مراد اصحاب النار ہی ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مومنوں کو دکھ دینے کی وجہ سے آخر انہیں دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا اور اس صورت میں [آیت:7] میں ان کے شہود ہونے سے مراد ہوگی کہ جو دکھ وہ مومنوں کو دیتے رہے تھے اس کا مزہ برنگ عذاب چکھ رہے ہوں گے۔ اور ستاروں والے آسمان کی طرف توجہ دلا کر ﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ﴾ کے ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح یہ ظاہری آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے اسی طرح ملک عرب پاک اور نیک لوگوں سے بھر جائے گا، جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت کا موجب ہوں گے۔ اور آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ کو نجوم سے مشابہت بھی دی ہے۔ [أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ] (جامع الأصول فى احاديث الرسول، جلد 8، صفحہ 556) پس اصل مراد یہ ہے کہ وہ وعدے کا دن آرہا ہے جب ملک عرب اسی طرح نیک لوگوں سے بھر جائے گا جس طرح آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے۔ اور ﴿شَاهِدٍ﴾ حضرت نبی کریم ﷺ ہیں اور ﴿مَشْهُوْدٍ﴾ وہ امر ہے جس کی گواہی آپ نے دی یعنی حق کا غالب آنا۔ یا مشہود وہ لوگ ہیں جو آپ کی تعلیم کو اپنے اندر لے لیں گے، کیونکہ یہی وہ امر بھی تھا جس کی گواہی دی گئی۔

3573۔ ﴿وَقُوْدِ﴾۔ [وَقَدَتِ النَّارُ] (مصدر وُقُوْدٌ) آگ جل اٹھی اور [اَوْقَدْتُهَا] میں نے اسے جلایا اور یہی معنی [اِسْتَوْقَدَ] کے ہیں۔ ﴿كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ [البقرة: 17:2] ''اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے آگ جلائی۔'' ﴿فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ﴾ [القصص: 38:28] ''سوائے ہامان! میرے لیے آگ جلا۔'' ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ﴾ [الهمزة: 6:104] ''اللہ کی جلائی ہوئی آگ۔'' اور وَقَدَ کا استعمال استعارۃً جنگ کے لیے ہوتا ہے جیسے نار کا استعمال ہوتا ہے۔ ﴿كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ﴾ [المائدة: 64:5] ''جب کبھی وہ لڑائی کے لیے آگ جلاتے ہیں۔'' اور وَقُوْدُ ایندھن کو بھی کہا جاتا ہے جس سے آگ جلتی ہے اور شعلہ کو بھی جو اس سے نکلتا ہے۔ ﴿وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ [البقرة:24:2] ''جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔'' (غ)

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ﴿٦﴾

جب وہ اس پر بیٹھے ہوئے تھے۔

وَّ هُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ﴿٧﴾

اور وہ اس پر گواہ تھے جو وہ مومنوں کے ساتھ کرتے تھے۔

وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿٨﴾

اور وہ ان سے صرف اس بات کو برا مناتے تھے کہ وہ اللہ غالب تعریف کیے گئے پر ایمان لائے ہیں۔

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ؕ﴿٩﴾

وہ جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین کی ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ؕ﴿١٠﴾

وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دکھ دیتے ہیں، پھر توبہ نہیں کرتے۔ تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔(3574)

آیۃ حصیۃ ۱۲

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ؕ﴿١١﴾

وہ لوگ جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں، ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿١٢﴾

یقیناً تیرے رب کی گرفت سخت ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ۚ﴿١٣﴾

وہی پہلی بار بناتا اور بار بار بناتا ہے۔

اور یہاں شعلوں والی آگ مراد ہو سکتی ہے یا ایسی آگ جس میں ایندھن ڈال کر اسے جلتا رکھا جاتا ہے۔

3574۔ ربیع سے روایت ہے کہ عذاب جہنم آخرت میں اور جلنے کا عذاب دنیا میں ہے۔ (ر) آگے ﴿بَطْشَ﴾ میں بھی عذاب دنیا کی طرف اشارہ ہے۔

وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾	اور وہ بخشنے والا محبت کرنے والا ہے۔
ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾	عرش کا مالک بڑی شان والا۔
فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾	کر گزرنے والا جو وہ چاہتا ہے۔
هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾	کیا تجھے لشکروں کی خبر پہنچی ہے؟
فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾	فرعون اور ثمود کی۔
بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾	بلکہ وہ جو کافر ہیں جھٹلانے میں (لگے ہوئے) ہیں۔
وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾	اور اللہ نے ان کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے۔
بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾	بلکہ وہ ایک قرآن بڑی شان والا ہے۔
ع 1 22 10 فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾	محفوظ تختی میں۔(3575)

3575۔**قرآن کے لوح محفوظ میں ہونے سے مراد:** لوح محفوظ مشہور ہے۔اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس کا طول [مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ] ہے اور اس کا عرض [مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ] (روح المعانی: جلد 30، صفحہ 94) ہے۔(ر) اور یہاں قرآن مجید کے لوح محفوظ میں ہونے سے ایک مراد یہ لی گئی ہے کہ وہاں تک شیاطین نہیں پہنچ سکتے اور ایک یہ کہ قرآن شریف بعد اتارا جانے کے تغیر وتبدل اور کمی وزیادتی سے محفوظ ہے۔جیسا کہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر: 9:15] ''ہم نے خود یہ نصیحت اتاری ہے اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' کا منشا ہے۔(ر) اور چونکہ یہاں اوپر ذکر ان لوگوں کا تھا جو تکذیب اور مخالفت کے درپے ہیں اور قرآن مجید کو گویا نابود کرنا چاہتے ہیں تو اس لیے لوح محفوظ میں ہونے سے خاص اشارہ اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ دشمن اسے نیست ونابود نہیں کر سکتے۔اور لوح محفوظ کا تعلق علم الٰہی سے ہے، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کیا ہے اور کیا نہیں۔

اٰيَاتُهَا 17 (86) سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ (17) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾	آسمان گواہ ہے اور رات کو آنے والا۔
وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾	اور تجھے کیا خبر ہے کہ رات کو آنے والا کون ہے؟
النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾	چمکتا ہوا ستارہ ہے۔(3576)

سورۃ الطارق

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلطَّارِقِ ہے اور اس میں 17 آیتیں ہیں۔ اور طارق رات کے وقت آنے والے کو کہتے ہیں اور مراد اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظلمت کے وقت دنیا میں ظاہر ہونا اور اس ظلمت کو دور کرنا ہے۔ اور پچھلی سورت کے مضمون کو جاری رکھا ہے کہ کس طرح آپ کے آنے سے تاریکی دور ہو کر نور اور ہدایت پھیل جائے گی۔ یہ سورت بھی بالاتفاق مکی ہے اور ابتدائی زمانہ کی ہے۔

3576۔﴿طَارِقِ﴾۔ طَرِيْقَةٌ رستہ ہے[دیکھو نمبر: 2080] اور طَارِقِ رستہ پر چلنے والا۔ لیکن تعارف میں رات کے وقت آنے والے سے مخصوص ہو گیا ہے اور نجم کو بھی اس کے رات کے وقت ظہور کرنے کی وجہ سے طَارِقِ کہا جاتا ہے۔ (غ) اور رات کے آنے والے کو طَارِقِ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے دروازہ کھٹکھٹا پڑتا ہے، کیونکہ طَرْقٌ کے معنی مارنا ہیں۔ اور یہاں طَارِقِ سے مراد وہ نجم بھی لیا گیا ہے جسے صبح کا سیارہ کہا جاتا ہے اور ہند کا قول ہے [نَحْنُ بِنَاتِ الطَّارِقِ] ہم طَارِقِ کی بیٹیاں ہیں یعنی ہمارا باپ شرف اور علو میں ستارہ کی طرح ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مراد ہے ہم لوگوں میں سے صاحب مرتبہ کی بیٹیاں ہیں۔ گویا کہ وہ علو قدر کے لحاظ سے نجم ہے۔ اور طَارِقِ ہر نجم کو بھی کہتے ہیں، کیونکہ وہ رات کو نکلتا ہے۔ اور ﴿يَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى﴾[طٰهٰ: 63:20] ''تمہارے عمدہ طریقہ کو مٹا دیں۔'' میں طَرِيْقَةِ کے معنی رجال اشراف بھی کیے گئے ہیں کیونکہ عرب لوگ بڑے صاحب فضل کو کہتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کا طریقہ ہے۔ (ل)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشابہت صبح کے سیارہ سے:

یہاں آسمان اور طارق کو شہادت میں پیش کر کے خود ہی بتا دیا ہے کہ طارق چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ اور لفظ ثاقب میں اشارہ ہے کہ

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾	کوئی جان نہیں مگر اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾	پس انسان دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔
خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿٦﴾	وہ گرائے ہوئے پانی سے پیدا ہوا ہے۔
يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ﴿٧﴾	وہ پیٹھ اور پسلیوں کے بیچ میں سے نکلتا ہے۔(3577)

اس کی روشنی ایسی تیز ہے کہ تاریکی کو پاش پاش کردے گی۔ اور چونکہ طارق کا لفظ عربی زبان میں عظیم الشان لوگوں پر بولا جاتا تھا اس لیے یہاں اس میں خاص اشارہ حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف ہے۔ اور آپ کو طارق اس لحاظ سے کہا کہ آپ ایک سخت تاریک رات میں آئے جیسا کہ دوسری جگہ بھی آپ کی آمد کے زمانے کو لَيْلٌ سے ہی تعبیر کیا ہے۔[دیکھو نمبر: 3026] کیونکہ ساری دنیا پر تاریکی اور جہالت چھائی ہوئی تھی اور نجم ثاقب اس لحاظ سے کہ آپ کی قوت قدسی کی تیز روشنی اس جہالت کی تاریکی کو دور کرنے والی تھی۔ اور انجیل میں اس لطیف استعارہ کو ایک بدنما رنگ میں پیش کیا ہے جہاں مسیح کے آنے کو ایک چور سے مشابہت دی ہے جو رات کے وقت آتا ہے[متی: 43:24، 44] اور قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کو طارق کہہ کر صبح کے سیارہ سے مشابہت دی ہے، اس لیے کہ گو وہ رات کو آتا ہے مگر اس کے بعد جلد ہی دن چڑھ جاتا ہے۔ اور جواب قسم ﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ ہے اور بعض نے ﴿اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ﴾ کو جواب قسم کہا ہے اور حقیقت میں دونوں کا مطلب ایک ہے۔ کیونکہ گو بعض نے حَافِظٌ سے مراد یہاں اللہ تعالیٰ کی حفاظت کو لیا ہے مگر اصل مطلب حفاظت اعمال سے ہے۔ جیسا کہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے[يَحْفَظُ عَمَلُهَا وَ يُحْصِى عَلَيْهَا مَا تَكْسِبُ مِنْ خَيْرٍ اَوْ شَرٍّ] (ج) اور یہ حافظ وہی ہے جس کا ذکر ﴿لَحٰفِظِيْنَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ﴾[الانفطار: 82:11-10] ''حفاظت کرنے والے۔ معزز لکھنے والے۔'' میں ہے اور اعمال کے محفوظ کر لینے کا نتیجہ ہی دوسری زندگی ہے۔ پس ﴿اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ﴾ اسی کا نتیجہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے وجود کو اللہ تعالیٰ نے قیامت یا بعثت کی شہادت ٹھہرایا ہے اس لیے کہ **آپ کے وجود سے اس دنیا میں قیامت روحانی قائم** ہو کر قیامت کبریٰ کی صداقت پر کھلی گواہی ہوگئی۔

3577۔﴿دَافِقٍ﴾۔ دَفْقٌ پانی کا گرانا ہے اور وہ متعدی ہے اور ﴿مَّآءٍ دَافِقٍ﴾ سے مراد ہے[ذُوْ دَفْقٍ] ایک ہی مرتبہ گرایا ہوا۔(ل)

﴿صُلْبِ﴾۔ صُلْبِ سخت کو کہتے ہیں اور بلحاظ سختی کے پیٹھ کو ﴿صُلْبِ﴾ کہا جاتا ہے اور جمع اَصْلَابٌ ہے۔ ﴿مِنْ اَصْلَابِكُمْ﴾[النساء: 23:4] ''تمہاری پیٹھوں سے۔''(غ)

یہاں ﴿صُلْبِ﴾ اور ﴿تَرَآئِبِ﴾ کے درمیان کہہ کر ایک لطیف پیرایہ میں بتایا ہے کہ انسان کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے[مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ](صحيح البخاري، كِتَابُ

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۸ یقیناً وہ اس کے لوٹانے پر بھی قادر ہے۔

یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۹ جس دن چھپی باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔(3578)

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۱۰ تو اس کے لیے نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی مددگار۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۱۱ آسمان گواہ ہے جو (مینہ کو) لوٹاتا ہے۔

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۱۲ اور زمین جو (پودوں سے) پھٹ پڑتی ہے۔(3579)

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۱۳ یہ یقیناً فیصلہ کی بات ہے۔

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۱۴ اور یہ بیہودگی نہیں۔(3580)

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۱۵ یہ بھی ایک تدبیر میں لگے ہوئے ہیں۔

الرِّقَاقِ، باب: حِفْظِ اللِّسَانِ، حدیث: 6474) جہاں [مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ] یعنی اس کے دونوں پاؤں کے درمیان سے مراد اس کی شرم گاہ ہے اور امام راغب نے فرج کے معنی ایسے ہی لفظ لکھے ہیں [مَا بَيْنَ رِجْلَيْنِ]۔ بعث بعد الموت کو بعید خیال کرنے والوں کو توجہ دلائی ہے کہ انسان کی پہلی پیدائش میں کیا کم قدرت کا نظارہ ہے کہ دوسری کو بعید سمجھتے ہو۔

3578۔ یہاں بتایا کہ جس طرح انسان نطفہ کی حالت میں ہے، اسی طرح اس کی دوسری زندگی اس عالم میں ایک سرّ کی حالت میں رہتی ہے اور نتائج اعمال محفوظ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہی **اسرار قیامت کے دن ظہور پذیر ہو جاتے ہیں**۔

3579۔ بخاری میں مجاہد کا قول ہے کہ ﴿ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ بادل ہے جو مینہ کو لوٹاتا ہے اور ﴿ذَاتِ الصَّدْعِ﴾ زمین یعنی نبات کے ساتھ پھٹنے والی۔ اور آسمان کو ﴿ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ اس لیے کہا کہ زمین سے بخارات آبی اٹھتے ہیں تو آسمان انہیں بارش کے رنگ میں لوٹا دیتا ہے اور ان دونوں آیتوں میں آسمان اور زمین کی زوجیت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ آسمان کے بارش برسانے سے زمین میں سے کیا کیا نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن ایک بارش روحانی ہے جو انسانوں کے اندر ایک انقلاب عظیم پیدا کر دے گا اور ان کی مخفی طاقتوں کو زندہ کر دے گا۔ اسی لیے جواب قسم ہے ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾ یعنی حق کو باطل سے الگ کر دے گا۔ حق زندہ ہوگا اور باطل مر جائے گا۔

3580۔ ﴿هَزْلِ﴾ ہر کلام جس سے فائدہ کچھ نہ ہو، کیونکہ هَزَالٌ دبلا پن کو کہتے ہیں۔ (غ) اور هَزْلِ نقیض جِدّ ہے (ل) یعنی بیہودگی۔

وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾

اور میں بھی ایک تدبیر کر رہا ہوں۔

ع 1 17 11 فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾

پس تو کافروں کو مہلت دے، انہیں تھوڑی ہی مہلت دے۔(3581)

3581۔﴿رُوَيْدًا﴾۔ رَوْدٌ مہلت کو کہتے ہیں اور ﴿رُوَيْدًا﴾ کے معنی مَهْلًا اور سیبویہ کے نزدیک یہ اسم فعل ہے اور ﴿رُوَيْدًا﴾ کے معنی ہیں اَمْهِلْهُ یعنی اسے مہلت دے اور بعض نے رُوَيْدٌ کو رَوْدٌ کی تصغیر قرار دیا ہے۔(ل) اور مطلب یہ ہے کہ فیصلے کے دن انتظار کریں۔

اٰيَاتُهَا 19 (87) سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (8) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١	اپنے رب بہت بلند کے نام کی تسبیح کر۔
الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢	جس نے پیدا کیا، پھر ٹھیک بنایا۔
وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣	جس نے (حد کا) اندازہ لگایا پھر راہ دکھائی۔[3582]

سورۃ الاعلیٰ

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْاَعْلٰى ہے اور اس میں 19 آیتیں ہیں۔ اَلْاَعْلٰى اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اور یہاں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے سے ہی انسان علو کے مقام پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ سورت بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

3582۔ ﴿اَلْاَعْلٰى﴾ بمعنی عَالِیْ ہے اور اَلْعَلِیّ اور اَلْعَالِیْ اور اَلْمُتَعَالِیْ اور اَلْاَعْلٰى ان سب کے معنی ملتے جلتے ہیں۔ اَلْعَلِیّ صاحب شرف ہے اور وہ اَلْعَالِیْ کے معنی میں ہے۔ اور وہ وہ ہے جس کے اوپر کوئی نہیں یا وہ اپنی مخلوق پر غالب ہے اور اپنی قدرت سے ان کو مغلوب رکھتا ہے۔ اور ﴿اَلْاَعْلٰى﴾ وہ ہے جو ہر ایک عالی سے بلند تر ہے اور اس کا اسم ﴿اَلْاَعْلٰى﴾ ہے یعنی اس کی صفت سب صفات سے بلند تر ہے۔

نماز سے علو کا ملنا:

یہاں اول اللہ تعالیٰ کے اسم ﴿اَلْاَعْلٰى﴾ کی تسبیح کے لیے فرمایا اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس آیت کو پڑھ کر کہا کرتے تھے [سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى] (مسند احمد، جلد 5، صفحہ 124) اور اس نام کی تنزیہ میں یہ اشارہ ہے کہ اس کا علو تمام عیوب سے منزہ ہے اور جسمانی بلندی کے خیال سے بالاتر۔ اور یہ بھی کہ انسان کو علو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ہی مل سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جس صفت کو انسان اپنے سامنے رکھتا ہے اسی صفت کا وہ مظہر بن جاتا ہے۔ اور نماز میں انتہائی ذلت کی حالت میں [سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى] کا ذکر سکھانا بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اسی ذریعہ سے انسان علو پر پہنچ سکتا ہے۔ اور اسی لیے نماز کو معراج مومن کہا ہے، گویا ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ میں نماز کی طرف ہی توجہ دلائی ہے اور اس کو

وَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ۪ۙ﴿۴﴾	اور جس نے چارہ نکالا۔
فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی ؕ﴿۵﴾	پھر اسے سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا۔[3583]
سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤی ۙ﴿۶﴾	ہم تجھے پڑھائیں گے سو تو نہ بھولے گا۔
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَ مَا یَخۡفٰی ؕ﴿۷﴾	مگر جو اللہ (تعالیٰ) چاہے۔[3584] وہ کھلی بات کو جانتا ہے، اور (اسے بھی) جو چھپا ہے۔

آگے چل کر واضح بھی فرمایا ہے۔[دیکھو آیت: 15] ﴿وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی﴾۔

خلق و ہدایت کا تعلق:

اس کے بعد چار امور کا ذکر کیا۔ خلق، تسویۃ، تقدیر، ھدایت۔ اور چونکہ یہاں مفعول مذکور نہیں اس لیے ساری مخلوق ہی مراد ہے۔ یعنی ہر چیز کو پیدا کیا، ہر چیز کو ایک کمال دیا، ہر چیز کے لیے ایک اندازہ اور حد بست مقرر کی کہ اس سے باہر وہ نہیں نکل سکتی۔ اور ہر چیز کو یہ ہدایت دی یعنی ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ایک قانون بتایا کہ اس پر چل کر وہ اپنے کمال کو حاصل کرے۔ پیدائش کے مقابلہ میں اندازہ مقرر کرنا اور تسویہ کے مقابلہ میں ہدایت ہیں۔ اور یہ چاروں باتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ خلق نہیں کرتا تو وہ ان چیزوں کی حد بست بھی مقرر نہیں کر سکتا اور نہ کمال تک پہنچانے کے قوانین بنا سکتا ہے۔ دوسری جگہ یوں فرمایا: ﴿اَعۡطٰی كُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾ [طٰہٰ: 50:20] ''ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی پھر اسے (اپنے کمال کی) راہ دکھائی۔'' گویا خلق سے ہی ہدایت وابستہ ہے۔ ایسا ہی انسان کے کمال روحانی کو حاصل کرنے کی راہ بھی اللہ تعالیٰ ہی بتا سکتا ہے۔ آریہ جو خلق کے منکر ہیں انہیں ہدایت کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔

3583۔ ﴿اَحۡوٰی﴾۔ حُوَّۃ سیاہی ہے جو سبزی کی طرف مائل ہو اور اسی سے حَوَّاءٌ ہے۔ اور ہر ایک سیاہ کو اَحۡوَی کہا جاتا ہے اور اَحۡوَی وہ ہے جو پرانا ہو کر سیاہ ہو جائے۔ (ل) سبزی کا کمال یہی ہے۔

3584۔ **آنحضرت ﷺ کا معجزہ کہ قرآن نہ بھولتے تھے:** جب ہر چیز کا کمال الگ ہے تو اس کی ہدایت بھی الگ ہے۔ انسان دیگر مخلوق سے ایک فوقیت رکھتا ہے، اس لیے اس کا کمال بھی بلند تر ہے۔ اور وہ کمال حاصل کرنے کے لیے اتباع وحی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحی کا یہاں ایک نشان بیان کیا کہ ہم تجھے پڑھاتے ہیں تو تُو اسے بھول نہیں سکتا۔ آنحضرت ﷺ بھی ایک انسان تھے اور ہر انسان بھولتا بھی رہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ بھی دیگر باتوں میں بعض وقت بھول جاتے تھے جس کے متعلق فرمایا ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾، جہاں اِلَّا استثنائے منقطع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح دوسرے انسان بھولتے ہیں تم بھی بہتیری باتیں بھول جاتے ہو مگر اللہ تعالیٰ کے پڑھانے کا یہ نشان ہے کہ آپ اسے بھولتے نہیں۔ آپ پر بیس بیس رکوع کی سورت اکٹھی نازل ہوئی

وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۚ﴿۸﴾	اور ہم آسان (طریق) کی طرف تجھے چلائیں گے۔(3585)
فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ﴿۹﴾	سو نصیحت کرتا رہ، نصیحت یقیناً نفع دیتی ہے۔
سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ﴿۱۰﴾	وہی نصیحت حاصل کرتا ہے جو ڈرتا ہے۔
وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۱﴾	اور بدبخت اس سے دور رہتا ہے۔
الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۚ﴿۱۲﴾	جو بڑی آگ میں داخل ہوگا۔
ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ؕ﴿۱۳﴾	پھر وہ نہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ ہوگا۔
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ﴿۱۴﴾	وہی کامیاب ہوتا ہے جو اپنے آپ کو پاک کرتا ہے۔

اوران سورتوں کے مضامین جوتوحید ونبوت کی دلائل سے پُر ہیں نہایت دقیق ہیں۔ پھر ایک ایک سورت کا نزول کئی کئی سال تک ممتد رہا۔ جب ایک آیت اترتی تو اسے آپ ایک خاص جگہ لکھوا دیتے۔ لیکن آپ نہ خود پڑھنا جانتے ہیں نہ لکھنا، نہ آپ کے گھر میں کوئی لکھا ہوا نسخہ قرآن شریف کا موجود ہے۔ بایں آپ نمازوں میں متفرق مقامات سے قرآن پڑھتے ہیں اور نہ کسی سورت میں ایک حرف کی کمی بیشی وقوع میں آتی ہے نہ ترتیب میں ایک آیت آگے پیچھے ہوتی ہے۔ یہ کس قدر بڑا معجزہ ہے کہ بجائے خود یہی صداقت وحی پر ایک قاطع دلیل ہے۔ ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ آپ قرآن کا کوئی حصہ بھی بھول جاتے تھے۔ کیونکہ اس طرح عبارت بے معنی ہو جاتی ہے۔ یعنی عبارت یوں ہوگی کہ ہمارے پڑھائے ہوئے کو تم نہیں بھولتے مگر اس میں سے جو خدا چاہے بھول بھی جاتے ہو۔ اصل مطلب وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ ہمارے پڑھائے ہوئے کا یہ نشان ہے کہ تم اسے نہیں بھولتے، حالانکہ دوسری باتوں کو بھول بھی جاتے ہو۔ اور قرآن تو ساتھ ساتھ لکھا بھی جاتا تھا۔ پس اس کا کوئی حصہ بھلایا نہیں گیا۔

3585۔ ﴿نُيَسِّرُ۔ يُسْرٰى﴾۔ يُسْرٰى سہل کو کہتے ہیں اور يَسَّرَهٗ کے معنی ہیں اسے سہل کر دیا اور تَيْسِيْرٌ خیر میں بھی ہوتی ہے اور شر میں بھی۔ ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى﴾ [اللیل: 10:92] ''تو ہم اسے تنگی کی طرف چلائیں گے۔'' (ل) ﴿يُسْرٰى﴾ عمل خیر ہے۔ (ج) کیونکہ اس کا نتیجہ سہولت ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ ہم ایسے اسباب پیدا کر دیں گے کہ آپ کے رستے میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو جائیں اور ہر قسم کی بھلائی کے لیے سہولتیں پیدا کر دیں گے۔

وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ﴿۱۵﴾	اور اپنے رب کے نام کو یاد کرتا ہے۔پس نماز پڑھتا ہے۔
بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿ۖ۱۶﴾	بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔
وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ﴿۱۷﴾	حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔
اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ﴿۱۸﴾	یقیناً یہ پہلے صحیفوں میں ہے۔
ع 1 19 12 صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ؑ﴿۱۹﴾	ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں (میں)۔ (3586)

3586۔**انبیاء کی تعلیم ہمیشہ ایک ہی رہی ہے:**﴿اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ میں اشارہ اس تعلیم کی طرف ہے یعنی یہی تعلیم ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ یعنی (تزکیہ سے ہی انسان فلاح کو حاصل کرسکتا ہے) پہلے صحیفوں میں بھی موجود ہے بالفاظ دیگر تمام انبیاء کی تعلیم ہمیشہ ایک ہی رہی ہے کہ انسان + نیا کی زندگی تک اپنی نظر کو محدود نہ رکھے۔ بلکہ ایک نئی زندگی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرے۔اور بعض نے اشارہ هٰذَا میں ذِكْرٰى یعنی قرآن کی طرف لیا ہے کہ یہ قرآن پہلے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔جیسا کہ دوسری جگہ ہے:﴿لَفِىْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ﴾[الشعراء: 196:26] ''پہلوں کے صحیفوں میں (موجود) ہے۔''

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا 26 (88) (68) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ؕ﴿۱﴾	کیا تیرے پاس ڈھانک لینے والی کی خبر آئی ہے؟(3587)
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ﴿۲﴾	(کچھ) منہ اس دن ذلیل ہوں گے۔
عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ﴿۳﴾	محنت کرنے والے تھکے ماندے۔
تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ﴿۴﴾	جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔
تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ؕ﴿۵﴾	ابلتے ہوئے چشمے سے انہیں پانی پلایا جائے گا۔
لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۙ﴿۶﴾	سوائے کانٹوں کے ان کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا۔

سورۃ الغاشیہ

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْغَاشِيَةِ ہے اور اس میں 26 آیتیں ہیں۔ غَاشِيَةٌ ڈھانک لینے والی چیز کو کہتے ہیں اور اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ جو لوگ اپنے نفس کا تزکیہ نہیں کرتے اور دنیا پر ہی گرے رہتے ہیں ان کے لیے آخر ایک وقت آتا ہے کہ جس مصیبت سے وہ بچنا چاہتے تھے وہی ان کو ڈھانک لیتی ہے۔ ابتدائی مکی زمانہ کی سورت ہے۔

3587۔ ﴿اَلْغَاشِيَةِ﴾۔ [دیکھو نمبر: 1081] اور اصل استعمال اس کا ہر ڈھانک لینے والی چیز پر ہے۔ مثلاً ایک شخص کا غَاشِيَةٌ وہ ہے جو اس کے دوستوں وغیرہ میں سے اس کی ملاقات کو پے در پے آتے ہیں اور قیامت کو غَاشِيَةٌ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے خوف سے مخلوق کو ڈھانک لے گی۔ (ل) اور چونکہ یہاں ذلت اور مشقت اور تکان وغیرہ کا ذکر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قیامت کو غَاشِيَةٌ اسی لحاظ سے کہا ہو کہ جس محنت و مشقت سے انسان یہاں بچتا تھا۔ آخر وہی اس کو ڈھانک لے گی۔

لَّا یُسۡمِنُ وَ لَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ ؕ﴿۷﴾	وہ نہ موٹا کرتا ہے اور نہ بھوک میں کام آتا ہے۔(3588)
وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَۃٌ ۙ﴿۸﴾	(کچھ) منہ اس دن تروتازہ ہوں گے۔
لِّسَعۡیِہَا رَاضِیَۃٌ ۙ﴿۹﴾	اپنی کوشش کی وجہ سے راضی ہوں گے۔
فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ﴿ۙ۱۰﴾	بلند بہشت میں۔
لَّا تَسۡمَعُ فِیۡہَا لَاغِیَۃً ﴿ؕ۱۱﴾	تُو اس میں کوئی لغو بات نہ سنے گا۔
فِیۡہَا عَیۡنٌ جَارِیَۃٌ ﴿ۘ۱۲﴾ وقف لازم	اس میں بہتا ہوا چشمہ ہے۔
فِیۡہَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَۃٌ ﴿ۙ۱۳﴾	اس میں اونچے تخت ہوں گے۔
وَّ اَکۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَۃٌ ﴿ۙ۱۴﴾	اور آب خورے رکھے ہوئے۔
وَّ نَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَۃٌ ﴿ۙ۱۵﴾	اور گاؤ تکیے قطار میں لگے ہوئے۔
وَّ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَۃٌ ﴿ؕ۱۶﴾	اور فرش بچھائے ہوئے۔(3589)

3588۔﴿عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ﴾ مجاہد کا قول بخاری میں ہے کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں تو اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ وہ دنیا میں کام کرتے رہے۔ جن کا نتیجہ سوائے تکان اور درماندگی کے کچھ نہ ملا اور یہ معنی زید سے مروی ہیں۔ (ر) اور قیامت کے دن ان کے ﴿عَامِلَۃٌ﴾ ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہاں خدا کی راہ میں مشقت برداشت نہ کرتے تھے۔ وہاں مشقت اٹھانی پڑے گی۔

﴿ضَرِیۡعٍ﴾ خشک شدہ شبرق یا ایک خاردار جھاڑی ہے یا بدبودار نبات جسے سمندر پھینکتا ہے جو کچھ ہو مراد منکر شے ہے۔ (غ) دنیا اور اس کی آرزوئیں فی الحقیقت خاردار جھاڑیاں ہیں جو نہ انسان کو موٹا کرتی ہیں۔ یعنی نہ روحانی طور پر اس کے کسی فائدہ کا موجب ہیں نہ بھوک رکتی ہے بلکہ دنیا کی حرص کی آگ اور زیادہ مشتعل ہوتی ہے۔

3589۔﴿نَمَارِقُ﴾ واحد نُمۡرُقَۃٌ یا نِمۡرِقَۃٌ ہے وِسَادَۃٌ یعنی تکیے کو کہتے ہیں اور اس گدی کو بھی جو زین کے اوپر بیٹھنے کے لیے رکھی جاتی ہے۔ (غ)

﴿زَرَابِیُّ﴾ زِرۡبٌ کی جمع ہے اور وہ ایک قسم کا خوبصورت کپڑا ہے جو ایک خاص مقام کی طرف منسوب ہے۔ (غ)

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾	تو کیا بادلوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں؟
وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾	اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسا بلند بنایا گیا ہے؟
وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾	اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں؟
وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾	اور زمین کی طرف کہ وہ کس طرح بچھائی گئی ہے؟(3590)
فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾	سو نصیحت کر۔ تو صرف یاد دلانے والا ہے۔
لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾	ان پر تو داروغہ نہیں۔
اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ﴿٢٣﴾	ہاں جو منہ پھیرتا اور انکار کرتا ہے۔
فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿٢٤﴾	تو اللہ اسے بڑا عذاب دے گا۔
اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾	ہماری طرف ہی ان کا لوٹ کر آنا ہے۔
ع 1 26 13 ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾ ع	پھر ہمارے ذمے ہی ان کا حساب ہے۔

3590۔ ﴿اِبِلِ﴾ اونٹوں کو کہتے ہیں۔ اس لفظ سے واحد نہیں آیا اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد بادل ہیں۔ اور یہ اگر ہو تو تشبیہ کی وجہ پر صحیح ہو سکتا ہے۔ (غ) اور بعض نے کہا ہے کہ اِبِلٌ کے معنی بادل ہیں جو بارش کے لیے پانی اٹھاتے ہیں۔ (ل) ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اونٹ کی پیدائش کی طرف توجہ دلائی ہو کہ وہ ریگستانوں میں سخت برداشت کی طاقت رکھتا ہے۔ اور سماء، جبال، ارض کے ساتھ زیادہ موزوں بادل کا ذکر ہے۔

﴿سُطِحَتْ﴾۔ سَطْحٌ گھر کا سب سے اونچا مقام ہے اور [سَطَحْتُ الْبَيْتُ] کے معنی ہیں گھر کی سطح بنائی۔ (غ) اس لفظ کے اختیار کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ زمین کا اوپر کا چھلکا قابل رہائش بنایا ہے۔

یوں تو سب ظاہری مناظر قدرت کی طرف توجہ دلائی ہے مگر ساتھ ہی اس میں انسان کو یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ بادلوں کی سخاوت، آسمان کی رفعت، پہاڑوں کے استقلال، زمین کی فراخی کو اپنے اخلاق میں جمع کرے۔

اٰيَاتُهَا 30 (89) سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ (10) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَالْفَجْرِ ۝1	فجر گواہ ہے۔
وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝2	اور دس راتیں۔
وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝3	اور جفت اور طاق۔
وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝4	اور رات جب جانے لگے۔ (3591)

سورۃ الفجر

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْفَجْرِ ہے اور اس میں 30 آیتیں ہیں۔ فجر صبح کی روشنی کے پھوٹنے کا نام ہے اور اس میں بتایا ہے کہ انسان کی اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی حالت جسے نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے عبادت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے اور اس عبادت کے خاص ایام وہ دس راتیں ہیں جن میں نزول قرآن شروع ہوا۔ اسی فجر کی طرف سورت کے نام میں اشارہ ہے اور ابتدائی مکی سورتوں میں سے یہ ایک ہے۔

3591۔**عبادت الٰہی پر روحانی ترقی کا مدار ہے:** یہاں جن چار چیزوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے ان میں سے دس راتوں کے متعلق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو روایتیں ہیں۔ اول یہ کہ یہ ذوالحج کی پہلی دس راتیں ہیں اور دوسری یہ کہ یہ رمضان کی آخری دس راتیں ہیں۔ بلکہ تبریزی کا خیال ہے کہ ان دس راتوں کے رمضان کی آخری راتیں ہونے پر اتفاق ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آخری عشرہ میں داخل ہوتے تھے تو بہت شب بیداری کرتے تھے اور وہاں لفظ ہیں [إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ] (صحیح البخاری، کتاب فضل لیلة القدر، باب: الْعَمَلِ فِي الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، حدیث: 2024) اور انہی دس راتوں میں لیلۃ القدر بھی ہے۔ اور ﴿لَيَالٍ عَشْرٍ﴾ کے لفظ ذی الحج کی پہلی اور رمضان کی آخری دونوں راتوں پر صادق آتے ہیں۔ اور ﴿وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ کے متعلق امام احمد اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: [الصَّلاَةُ بَعْضُهَا شَفْعٌ وَبَعْضُهَا وَتْرٌ] (سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب: وَمِنْ سُورَةِ الْفَجْرِ، حدیث: 3665، مسند احمد، جلد 43، صفحہ 253) یعنی یہ نماز ہے کہ اس کی رکعات جفت بھی ہیں

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝٥ اس میں عقل والوں کے نزدیک قسم ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝٧ (عاد) ارم بلند عمارتوں والے (کے ساتھ)۔(3592)

الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝٨ جن کی مثل شہروں میں پیدا نہ ہوئے تھے۔(3593)

اور طاق بھی۔ اور بعض نے شفع سے مراد مخلوق کو لیا ہے اور وتر سے خالق کو۔ اور اور بھی کئی قول ہیں۔ (ر) اور پچھلی سے پچھلی سورت میں بلکہ کئی سورتوں میں اصل مضمون یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کا تعلق پیدا کرنے سے انسان کو فلاح ملتی ہے۔ تو اس سورت میں عبادت کے بہترین ایام کا ذکر کیا ہے اور بجائے ایام کے لَيَالٍ کا لفظ بھی اسی لیے اختیار کیا، کیونکہ رات کی عبادت ہی بہترین عبادت ہے اور جواب قسم کوئی بیان نہیں فرمایا۔ گویا یوں فرمایا کہ اگر اس طرح سے تعلق باللہ پیدا کرو تو تم خود دیکھ لو کہ تم کس مقام پر پہنچ جاتے ہو۔ چنانچہ سورت کے آخر پر اسی ابتدا کی طرف توجہ دلانے کے لیے بغیر کسی اور تمہید کے فرمایا: ﴿يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ اور یہاں بھی فرمایا: ﴿هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ﴾ کیونکہ حجر وہ چیز ہے جو انسان کو حرص و ہوا کے اتباع سے روکتی ہے۔ [دیکھو نمبر: 1022] اور شَفْعٌ اور وِتْرٌ کے لفظ میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ مخلوق تو سب زوجین کے رنگ میں پیدا کی گئی ہے ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ [الذاریات: 49:51] "ہر چیز سے ہم نے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو" اور اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے۔ پس اگر تمہاری جسمانی ترقیات بغیر زوجیت کے نہیں ہو سکتیں تو روحانی ترقی بغیر خدائے واحد سے تعلق پیدا کرنے کے نہیں ہو سکتی، جو سب مخلوق کے مقابل پر وتر ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہر چیز سے زوجین ہونے کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ﴾ [الذاریات: 50:51] "سو اللہ کی طرف دوڑو" اور خدا سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ عبادت ہے اور فجر کے لفظ میں اشارہ دس راتوں کی ابتدا فجر کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور لیلۃ القدر کی فجر کی طرف۔ ﴿هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ [القدر: 5:97] "یہ فجر کے طلوع تک ہے۔" اور ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ﴾ میں آخری رات کے نکلنے یا تاریکی کے دور ہونے اور روشنی کے نمودار ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

3592۔ ﴿اِرَمَ﴾ ایک نشان تھا جو پتھروں کو جمع کر کے بیابان میں بنا دیتے تھے، جمع ارام ہے۔ اور بعض نے اسے عاد کے نشانوں سے خاص کیا ہے اور عاد اولیٰ کے والد کا نام بھی اِرَمْ تھا۔ اور ان کے شہر کو جس میں وہ رہتے تھے ﴿اِرَمَ﴾ کہا گیا ہے۔

﴿عِمَادِ﴾ عَمُوْد کے لیے [دیکھو نمبر: 1596] اور [عَمَدَ الشَّيْءَ] کے معنی ہیں ایک چیز کو کھڑا کیا یا سہارا دیا اور عِمَادٌ (واحد عِمَادَةٌ) بلند عمارتوں کو کہتے ہیں۔ اور یہاں معنی لمبے قد والے بھی کیے گئے ہیں اور بلند عمارتوں والے بھی۔ (ل)

3593۔ تاریخی طور پر بھی یہ ثابت ہے کہ عاد اپنے زمانہ میں قوی ترین قوم تھی اور اس کا تصرف دور دور پھیل گیا تھا۔

وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝٩	اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹان تراشے۔
وَ فِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝١٠	اور لشکروں والے فرعون کے ساتھ۔
الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝١١	جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی۔
فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝١٢	سو ان میں بہت فساد کیا۔
فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝١٣	سو تیرے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا اچلایا۔(3594)
اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝١٤	بے شک تیرا رب گھات میں ہے۔
فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝١٥	تو انسان (کی حالت یہ ہے کہ) جب اسے اس کا رب آزماتا ہے پھر اسے عزت دیتا ہے اور نعمت بخشتا ہے، تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے معزز کیا ہے۔
وَ اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝١٦	اور جب اسے آزماتا ہے پھر اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔(3595)

3594۔ ﴿سَوْطَ﴾ کوڑے کو کہتے ہیں اور اس کا اصل ایک چیز کے بعض کو بعض سے مخلوط کرنا ہے۔ انواع عذاب بھی مراد لیا گیا ہے۔ (غ) مجاہد سے ہے کہ ﴿سَوْطَ عَذَابٍ﴾ سے مراد ہے جس سے عذاب دیا گیا اور عرب کے لوگ ﴿سَوْطَ عَذَابٍ﴾ ہر نوع کے عذاب کو کہتے ہیں۔ (بخاری)

3595۔ اللہ تعالیٰ انسان کو دونوں طرح آزماتا یا اس کی جودت ورداءت کو ظاہر کرتا ہے، کبھی انعام دے کر یا کبھی مصائب سے۔ لیکن ناشکرا انسان دونوں صورتوں میں اپنے نفس کی ہی پروا کرتا ہے۔ انعام ملے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے معزز بنایا ہے یا بڑا بنایا ہے پھر غربا کے ساتھ مل کر بیٹھنا یا ان کے ساتھ شامل ہونا اسے دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا: ﴿بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ﴾۔ اور جب رزق کم ملتا ہے تو اسے ذلت سمجھتا ہے۔ حالانکہ نہ حقیقی عزت محض رزق کی فراوانی میں ہے اور نہ تنگئ رزق ذلت کے قائم مقام ہے۔ بلکہ یہ دونوں انسان کی جودت ورداءت کے ظاہر کرنے کے سامان ہیں۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾	ہرگز نہیں، بلکہ تم یتیم کی خاطر داری نہیں کرتے۔
وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾	اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے۔(3596)
وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾	اور میراث سب کچھ سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔
وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾	اور مال سے بے حد پیار کرتے ہو۔(3597)
كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾	ہرگز نہیں، جب زمین ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ دی جائے گی۔
وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾	اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے قطاروں کی قطاریں۔(3598)
وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾	اور اس دن دوزخ لائی جائے گی۔ اس دن انسان یاد کرے گا اور اس یاد سے اسے کیا فائدہ ہوگا۔(3599)
يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾	کہے گا، اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔

3596۔ ﴿تَحٰٓضُّوْنَ﴾۔ حَضَّ۔ حَثَّ کی طرح ہے یعنی اس کے معنی کسی امر کی ترغیب دلانا ہیں۔ (غ) ﴿وَلَا يَحُضُّ﴾ [الماعون: 107:3] ''اور ترغیب نہیں دیتا۔''

3597۔ ﴿تُرَاثَ﴾ کا اصل وُرَاثَ ہے جس کی واؤ تا سے بدل گئی ہے۔ اور اس کے معنی میراث ہیں۔ (غ)

﴿جَمًّا﴾۔ جَمَّ کے معنی کثیر ہیں اور اس کی اصل جَمَامٌ سے ہے۔ جس کے معنی مشقت کے اٹھانے کا ترک کرنا ہیں۔ جم غفیر بڑے مجمع کو کہتے ہیں۔ (غ)

3598۔ اللہ اور فرشتوں کا آنا ایک رنگ میں اس دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ [دیکھو نمبر: 269]

3599۔ ﴿جَهَنَّمَ﴾۔ جِهِنَّامٌ بڑی گہرائی کو کہا جاتا ہے۔ اور [بِئْرِ جَهَنَّمٌ] بہت گہرائی والے کنویں کو کہا جاتا ہے۔ اور بعض لوگوں نے اسے فارسی سے معرب کہا ہے اور بعض کے نزدیک یہ عربی لفظ ہے اور اس کی بہت گہرائی کی وجہ سے اسے جہنم کہا گیا ہے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾	سو اس دن ایسی سزا دے گا جو کسی نے نہ دی ہوگی۔
وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾	اور ایسا جکڑے گا کہ کسی نے نہ جکڑا ہو۔
يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾	اے اطمینان پانے والی جان!
ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾	اپنے رب کی طرف لوٹ آ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾	سو میرے بندوں میں داخل ہو جا۔
ع 1/30/14 وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾	اور میری جنت میں داخل ہو جا۔(3600)

اور ابن خالویہ نے کہا ہے کہ چونکہ اس کا مادہ عربی زبان میں موجود ہے اس لیے یہ عربی لفظ ہے۔(ل)

یہاں جہنم کے لانے کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں بھی یہی ذکر ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس لیے کہ جہنم ہر انسان اپنے ہاتھ سے پیدا کرتا ہے اور وہی جہنم قیامت میں اس کے سامنے لائی جائے گی۔

3600۔ یہ گویا ابتدائی آیات سورت کی تکمیل ہے۔ ﴿النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ کے لیے [دیکھو نمبر: 1553] اور ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ [الرعد: 28:13] ''سن رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔'' سے ظاہر ہے کہ نفس مطمئنہ کا مرتبہ ذکر اللہ سے ہی حاصل ہوتا ہے جس کی طرف ﴿وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ میں توجہ دلائی گئی ہے۔ ﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ﴾ اور ﴿وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ دونوں اس دنیا کے لیے ہیں اور فی الحقیقت اگر اس دنیا میں جنت نہ ملے تو وہ نفس مطمئنہ نہیں کہلا سکتا۔ اور ﴿رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ سے مراد ہے [رَاضِيَةً عَنْ رَبِّكَ مَرْضِيَّةً عِنْدَهٗ] اللہ سے راضی ہے اور اللہ کی رضا کا محل بھی ہے۔ یہ کمال روحانی جو انبیاء کو ملتا ہے اس امت کے اولیاء کو بھی ملتا ہے۔

اٰیَاتُھَا 20 (90) سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (35) رُكُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾	نہیں میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں۔
وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾	اور تُو اس شہر میں حرمت سے آزاد کیا گیا ہے۔
وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾	اور باپ کی اور جو اس سے پیدا ہوا۔
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾	یقیناً ہم نے انسان کو مشقت کے لیے پیدا کیا ہے۔ (3601)

سورۃ البلد

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْبَلَدِ ہے اور اس میں 20 آیتیں ہیں۔ بلد شہر کو کہتے ہیں اور اَلْبَلَدِ سے مراد مکہ معظّمہ ہے اور اس نام میں اشارہ ہے کہ آپ ان تمام برکات کے وارث کیے جائیں گے جو اس شہر سے مخصوص ہیں۔ اور اس میں بتایا یہ ہے کہ ان درجات عالیہ کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ کو تکالیف شاقہ کا مقابلہ کرنا پڑے، کیونکہ انسان کی تمام ترقیات کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ وہ مشقت اٹھائے۔ ابتدائی مکی زمانہ کی وحی ہے۔

3601۔﴿حِلٌّ﴾ کے معنی حلال ہیں۔ (غ) [حَلَّ يَحُلُّ] مصدر حُلُوْلٌ یا حَلَّ کے معنی مکان میں اترنا ہیں اور [حَلَّ يَحُلُّ] مصدر حَلَّ یا حِلَالٌ کے معنی حالت حرمت سے نکلنا ہیں۔ (ل) یا حِلَّ سے مراد مُسْتَحَلّ ہے یعنی تجھے تکلیف پہنچائی جاتی ہے اور اس کی حرمت تیرے لیے نہیں رہی۔ (ر)

﴿كَبَدٍ﴾۔ كَبِدٌ جگر کو کہتے ہیں اور كَبَدٌ مشقت کو اور ﴿خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ﴾ میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی حالت پر پیدا کیا ہے کہ مشقت سے وہ الگ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ضرور ہے کہ مشقت کے ساتھ ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف ترقی کرے۔ (غ)

وقف لازم

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾	کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کو قدرت حاصل نہیں ہوگی؟
يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾	کہے گا، میں نے بہت سا مال برباد کر دیا۔(3602)

ترقی درجات کے لیے مشقت اٹھانا ضروری ہے:

یہاں جن چیزوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے وہ ایک تو ﴿الْبَلَدِ﴾ ہے یعنی مکہ معظّمہ (ج) یہی بخاری میں مجاہد سے روایت ہے اور دوسرے وَالِدٍ اور مَا وَلَدَ اور اس سے مراد عام انسان اور اس کی اولاد۔ آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد، ابراہیم علیہ السلام اور اس کی اولاد لیے گئے ہیں۔ (ج) اور جواب قسم ہے کہ انسان کو مشقت اٹھانے کے لیے پیدا کیا ہے یعنی انسان کی ترقی درجات بغیر مشقت اٹھانے کے نہیں ہوتی۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کے درجات تو بہت بلند ہوں گے مگر جدوجہد کرنا اور مشقت اٹھانا اس کے لیے ضروری ہے۔ اور ﴿اَلْبَلَدِ﴾ کے ذکر کے ساتھ فرمایا: ﴿وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ اور اس کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں یعنی تم بحیثیت فاتح اس شہر میں داخل ہو گے اور اس وقت تم اس شہر کی حرمت سے آزاد ہو گے اور جنگ کرنے کی اجازت ہو گی۔ اور یہ بھی کہ اس وقت اس شہر میں تمہارے لیے حرمت باقی نہیں رہی اور حالانکہ یہاں کے درخت بھی نہیں کاٹے جاتے، مگر خدا کے رسول کو ہر تکلیف پہنچائی جاتی ہے اور اس کی جان تک لینے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ تو گویا شہر مکہ کی گواہی جہاں اب رسول خدا ﷺ کو تکلیفیں دی جاتی ہیں اور جہاں بالآخر آپ بحیثیت فاتح داخل ہوں گے۔ اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گواہی اور ان کے فرزند اسماعیل علیہ السلام کی گواہی جس نے اپنی گردن چھری کے سامنے رکھ دی یہی ہے کہ انسان مشقت اٹھانے کے لیے پیدا ہوا ہے اور بغیر تکالیف شاقہ میں سے گزرنے کے وہ اپنے کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ جو انسان تکلیف سے بھاگتا ہے وہ اپنے کمال کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اور شہر مکہ کی شہادت گویا خود رسول کریم ﷺ کے ان حالات کی شہادت ہے جو مکہ میں آپ کو پیش آ رہے تھے اور آئندہ پیش آنے والے تھے۔ اور اس شہادت کے پیش کرنے میں قرآن کریم نے کیسا پُر حکمت کلام استعمال کیا ہے کہ ایک ہی لفظ استعمال کر کے دو مختلف باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یعنی ان تکالیف کی طرف جو رسول اللہ ﷺ اٹھا رہے تھے اور ان کامیابیوں کی طرف جو ان تکالیف کے بعد آپ کو ملنے والی تھیں۔ اور یوں بتا دیا کہ ہر انسان کے لیے کامیابی کا رستہ یہی ہے۔ آج جو مسلمان دین کے لیے ایک کانٹا چبھنے کی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے اور ایک پیسہ خرچ کرنا نہیں چاہتے وہ کس طرح توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ بھی دنیا میں کامیاب ہوں گے۔

3602۔ یہ وہ بات ہے جو وہ آئندہ کہے گا۔ یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں روپیہ صرف کر رہے ہیں اس وقت وہ تو اپنی طاقت کے گھمنڈ میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان پر کسی کو قدرت حاصل نہیں۔ مگر ایک وقت آئے گا کہ کہیں گے کہ ہم نے اتنا مال یوں ہی برباد کیا۔ یعنی جب مخالفت ناکام ہو گی تو اس وقت یہ سمجھ آئے گا۔

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۞ ٧	کیاوہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا؟
اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۞ ٨	کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں؟
وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ ۞ ٩	اور زبان اور دو ہونٹ۔
وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۞ ١٠	اور ہم نے اسے دونوں اونچے رستے دکھا دیئے۔(3603)
فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۞ ١١	سو وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا۔
وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۞ ١٢	اور تجھے کیا خبر کہ وہ اونچی گھاٹی کیا ہے؟(3604)
فَكُّ رَقَبَةٍ ۞ ١٣	کسی گردن کا آزاد کرانا۔
اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۞ ١٤	یا بھوک کے دن میں کھانا کھلانا۔
يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۞ ١٥	قریبی یتیم کو۔

3603۔﴿نَجْدَيْنِ﴾۔ نَجْدٌ اونچے اور سخت مکان کو کہتے ہیں۔ اور یہاں ﴿نَجْدَيْنِ﴾ بطور مثال ہے حق و باطل کے دو رستوں کے لیے۔ اور قول میں صدق و کذب اور فعل میں جمیل و قبیح کے لیے۔ اور وہ دونوں رستے اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیئے ہیں۔ جیسے ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ﴾[الدھر: 3:76] ''ہم نے اسے رستہ دکھا دیا ہے۔'' میں (غ)

حق و باطل کے رستوں کو دو اونچے رستے کہا ہے گویا وہ آسانی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور کسی انسان کی نظر سے مخفی نہیں۔ وہ خود بھی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے اور زبان اور ہونٹ کو کام میں لا کر دریافت بھی کر سکتا ہے۔

3604۔﴿اَلْعَقَبَةَ﴾۔ عَقَبَة بہت اونچا پہاڑ ہے جو رستہ میں آپڑے اور اس میں لمبا اور سخت دشوار گزار رستہ چلے۔ (ل)

ان مشکلات کو جن میں گزر کر مراتب عالیہ حاصل ہوتے ہیں اونچے پہاڑ سے تشبیہ دی ہے جس میں سے رستہ گزرتا ہو اور یوں بتایا ہے کہ انسان کو کس قدر استقلال اور ثبات قدم بکار ہے کہ خدا کے رستہ میں ترقی کرے۔ یہی مشکلات حق کے پھیلانے میں تھیں۔

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ یا مٹی سے ملے ہوئے مسکین کو۔ (3605)

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ پھر ان لوگوں میں سے جو ایمان لاتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کرتے ہیں۔

3605۔ ﴿فَكُّ﴾۔ فَكّ کشادگی کر دینا ہے اور گردن کے ﴿فَكُّ﴾ سے مراد اس کا آزاد کر دینا ہے اور گردن کا آزاد کرنا غلام کا آزاد کرنا بھی ہے اور انسان کا اپنے نفس کو اللہ کے عذاب سے آزاد کرنا بھی جو اچھی باتوں اور عمل صالح سے ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی دوسرے کو اس طرح آزاد کرنا اور یہ دوسری بات انسان کو پہلی کے بعد حاصل ہوتی ہے، کیونکہ جو خود ہدایت پر نہیں اس میں دوسروں کو ہدایت دینے کی قوت بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اور ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ﴾ [البينة: 1:98] ''وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرک (گناہ سے) باز نہ آنے والے تھے۔'' میں مُنْفَكِّيْنَ سے مراد ہے مُتَفَرِّقِيْنَ یعنی الگ الگ ہونے والے۔ گویا سب کے سب گمراہی پر رہتے ہیں۔ (غ)

﴿مَسْغَبَةٍ﴾۔ سَغَبٌ بھوک کو کہتے ہیں جس کے ساتھ درماندگی ہو اور پیاس کو بھی جس کے ساتھ درماندگی ہو۔ (غ)

ہمدردی مخلوق کی تعلیم کی اہمیت:

عَقَبَة یا اونچی گھاٹی جس کا طے کرنا ترقی درجات کے لیے ضروری ہے اس کی تفسیر خود کلام اللہ نے یوں فرمائی ہے کہ گردن کو آزاد کرے، یتیم، مسکین کو کھانا کھلائے، ایمان لائے، دوسروں کو صبر اور رحم کی نصیحت کرے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو آزاد کرنا، یتامیٰ اور مساکین کی خبر گیری، حاجت مندوں پر رحم کو اسلام کی تعلیم میں کس قدر اہمیت دی گئی ہے۔

غلام کی آزادی کو ترقی کی جدوجہد میں پہلا قدم قرار دینا اسلام کی تعلیم سے خاص ہے اور کسی مذہب میں یہ تعلیم نہیں پائی جاتی۔ جو بات عیسائی دنیا کو آج سمجھ آئی ہے وہ آج سے تیرہ سو سال پیشتر ایک اُمی کی زبان سے ظاہر کی گئی۔ یہ انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ہاں جہاں غلام کے آزاد کرنے کی ضرورت بتائی ساتھ ہی اس آزادی کی طرف بھی توجہ دلائی جو نیکی سے انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ جو لوگ بدی کی غلامی میں مبتلا ہیں ان کا آزاد کرنا بھی ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ میں شامل ہے اور اسی کی طرف ﴿تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ میں اشارہ ہے۔ اور کیسا پُرحکمت کلام ہے کہ یہاں چونکہ اصل غرض یہ تھی کہ غلاموں کی آزادی مساکین و یتامیٰ کی خبر گیری کی تعلیم دی جائے اس لیے ﴿تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ کے ساتھ ﴿تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ بڑھایا کہ نہ صرف خود یہ کام کرتے ہیں بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی یہی نصیحت کرتے ہیں کہ مخلوق خدا پر رحم کرنا سیکھیں۔ اور سورۂ عصر میں جہاں اصل غرض تبلیغ دین حق ہے ﴿تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ [العصر: 3:103] ''ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔'' کے پہلے ﴿تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ [العصر: 3:103] ''ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں۔'' رکھا ہے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۟ؕ۱۸	یہ خوش نصیب ہیں۔
وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۟ؕ۱۹	اور جو ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں، وہ بدنصیب ہیں۔
ع 1 20 15 عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۟ع۲۰	آگ میں (ڈال کر) ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ (3606)

3606۔﴿مُّؤْصَدَةٌ﴾۔[اَصَدَ الْبَابَ]دروازہ کو بند کر دیا۔[اَوْ صَدَہٗ اَغْلَقَہٗ]اور[اَصَدَ الْقِدْرُ]ہانڈی کو ڈھانک دیا۔(ل) اور مطلب یہ ہے کہ آگ میں ڈال کر ان پر نکلنے کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔

اٰيَاتُهَا 15 (91) سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ (26) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿۱﴾	سورج اور اس کی روشنی گواہ ہیں۔
وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۲﴾	اور چاند جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے۔
وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿۳﴾	اور دن جب وہ اسے روشن کرتا ہے۔
وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿۴﴾	اور رات جب وہ اسے ڈھانک لیتی ہے۔
وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿۵﴾	اور آسمان اور اس کا بنانا۔
وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿۶﴾	اور زمین اور اس کا بچھانا۔

سورۃ الشمّس

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلشَّمْسِ ہے اور اس میں 15 آیتیں ہیں اور اس میں یہ بتایا ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے وہ صفات جمع کی ہیں جو اس کی مخلوق میں سے اضداد کے اندر ہیں۔ مثلاً سورج اور چاند اور رات اور دن اور آسمان اور زمین کی صفات کو اس کے اندر جمع کیا ہے اور یوں بتایا ہے کہ نفس انسانی کو بڑے کمال کے مرتبہ پر پیدا کیا گیا ہے اور پھر اس کو خارجی روشنی بھی برنگ وحی عطا کی ہے۔ پس جو انسان ان کمالات کو ترقی دیتا ہے وہ فلاح پاتا ہے اور جو ان کو نشوونما نہیں دیتا وہ انجام کار ناکام ہوتا ہے۔ اور اَلشَّمْسِ نام میں اشارہ کمال نبوی کی طرف بھی ہے جو عالم روحانیت میں سورج کا حکم رکھتے ہیں کہ آئندہ تمام انوار آپ کی ذات بابرکات سے ہی پھیلیں گے۔ اور جس طرح آفتاب عالم جسمانی کا مرکز ہے، آنحضرت ﷺ عالم روحانی کے مرکز ہیں۔ یہ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۙ۝۷ اور نفس اور اس کی تکمیل۔(3607)

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۙ۝۸ پھر الہام سے اسے اس کی بدکاری اور اس کے تقویٰ (کے رستے بتادیئے)۔(3608)

3607۔﴿تَلٰی﴾ سے مراد یہاں اتباع ہے، پیروی کے طور پر اور مرتبہ کے لحاظ سے۔اس لیے کہ چاند سورج کے نور سے روشنی لیتا ہے اور وہ اس کے لیے بمنزلہ خلیفہ ہے۔اور کہا گیا ہے کہ ﴿جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ [یونس: 5:10] ''سورج کو چمکتا ہوا اور چاند کو روشن بنایا۔'' میں اسی طرف اشارہ ہے۔اس لیے کہ ضیا کا مرتبہ نور سے اعلیٰ ہے، کیونکہ ہر ضیاء نور ہے لیکن ہر نور ضیاء نہیں۔

﴿طَحٰی﴾۔ طَحْوٌ اور دَحْوٌ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی کسی چیز کا پھیلانا۔(غ)

نفس انسانی کا کمال اور انسان کامل:

ان آخری الفاظ نے خود بتادیا کہ پہلی چھ آیتوں میں جن امور کی طرف توجہ دلائی ہے وہ کسی نہ کسی رنگ میں تکمیل نفس انسانی پر شاہد ہیں۔سورج روشنی دینے والا ہے اور چاند سورج کی روشنی کا اثر قبول کرنے والا۔انسان کامل ان دونوں صفات کا مظہر ہے۔یعنی رسول اللہ ﷺ سورج کی طرح روشنی کا سرچشمہ بھی ہیں اور چاند کی طرح اللہ تعالیٰ کے نور سے منور بھی ہوتے ہیں۔ دن اور رات کے بھی دو علیحدہ علیحدہ کام ہیں۔دن روشنی کرتا ہے اور جدوجہد کا موقع دیتا ہے، رات تاریکی کا پردہ ڈال کر سکون کا موجب ہوتی ہے۔انسان کامل ان دونوں خوبیوں کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے، وہ جدوجہد بھی کمال درجہ کی کرتا ہے اور اس کے نفس کو سکون بھی کامل طور پر ملتا ہے۔اس کے بعد آسمان ہے جو علو کا مظہر ہے اور زمین جو پستی اور خاکساری کا مظہر ہے اور انسان کامل بھی ان دونوں باتوں سے حصہ لیتا ہے یعنی اس میں صفت علو کا اظہار بھی ہوتا ہے اور پستی کی صفت کا بھی۔گویا یہ جو بظاہر متضاد صفات نظر آتی ہیں یعنی اثر ڈالنے اور اثر قبول کرنے کی صفات، علو اور پستی کی صفات جن میں سے کوئی سورج رکھتا ہے کوئی چاند، کوئی دن رکھتا ہے اور کوئی رات، کوئی آسمان رکھتا ہے اور کوئی زمین۔انسان کامل کے اندر یہ سب صفات جمع ہوتی ہیں اور یہی اشارہ ﴿مَا سَوّٰىهَا﴾ میں ہے۔اور یہ تمام باتیں اپنے پورے کمال کے ساتھ تو آنحضرت ﷺ میں ہی پائی جاتی ہیں۔لیکن ہر انسان اپنے اپنے کمال یا اپنی اپنی استعداد کے مطابق ان سے حصہ لیتا ہے، تو یہ تو اس کے ذاتی جوہر ہیں۔لیکن ان ذاتی جوہروں کو جلا دینے کے لیے اور نمایاں کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے بھی اسے کچھ حصہ دیا ہے جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔اور سورج کی روشنی اور چاند کے اتباع میں یہ اشارہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو انسان کامل ہیں وہ اپنی امت کے لیے ایک سورج کا حکم رکھتے ہیں اور اب آپؐ کے بعد جو آپؐ کی پیروی کرنے والے ہوں گے وہ صرف آپؐ کے انوار سے نور مستعار لینے والے ہوں گے اور نور کا مرکز صرف آپؐ کی ذات ہی ہوگی۔

3608۔﴿اَلْهَمَ﴾۔[اِلْهَامْ: اَلْقَاءَ الشَّیْءُ فِي الرَّوْعِ] یعنی کسی چیز کا دل میں ڈالنا ہے اور یہ اس سے مختص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝٩	وہ کامیاب ہوا جس نے اسے پاک کیا۔
وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝١٠	اور وہ نامراد رہا جس نے اسے دفن کیا۔(3609)
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝١١	ثمود نے اپنی سرکشی سے (حق کو) جھٹلایا۔
اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝١٢	جب ان کا ایک بڑا بدبخت اٹھا۔
فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ۝١٣	تو اللہ کے رسول نے انہیں کہا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی (سے اسے نہ روکو)۔

سے ملاء اعلیٰ کی طرف سے ہو۔ (غ) اور لَهَمُ کے اصل معنی اِبْتِلَاعُ ہیں یعنی کسی چیز کا نگل لینا اور الہام [مَا يُلْقٰى فِي الرَّوْعِ] کا نام ہے یعنی جو دل میں ڈالا جائے۔ اور حدیث میں ہے [أَسأَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ تُلْهِمُنِيْ بِهَا رُشْدِيْ] (لسان العرب، جلد 12، صفحہ 547، زیر لفظ لَهَمُ) جہاں الہام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دل میں کوئی بات ڈالے جو اس سے فعل یا ترک کرادے اور یہ ایک قسم کی وحی ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے۔ (ل)

یہاں ﴿اَلْهَمَهَا﴾ کے معنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد وغیرھما سے بَيَّنَ۔ عَلَّمَ۔ عَرَّفَ مروی ہیں۔ (ج) اور ظاہر ہے کہ یہاں یہ مراد نہیں ہوسکتا کہ ہر شخص کے دل میں فجور اور تقویٰ کی باتیں ڈال دی جاتی ہیں۔ اس لیے کہ لفظ الہام مطلقاً اس پر بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں یہ نہیں ڈالتا ہے کہ وہ فجور کرے۔ ہاں یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ انسان کا نور قلب اس کو بتا دیتا ہے کہ یہ بات فجور کی ہے یا تقویٰ کی۔ اور یا اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ سے بتا دیتا ہے کہ فجور کی راہیں کون سی ہیں اور تقویٰ کی کون سی۔ گویا ایک تو انسان کے اندر صفات رکھی ہیں اور دوسرے ایک روشنی باہر سے مل جاتی ہے۔ جس طرح ایک بینائی کی طاقت انسان کے اندر ہے اور ایک روشنی باہر موجود ہے اور دونوں کی مدد سے انسان دیکھتا ہے۔

3609۔ بظاہر یہی جواب قسم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس کے اندر یہ کمالات تو رکھے ہیں اور وحی کی خارجی روشنی بھی عطا فرمائی ہے۔ لیکن ایک تو وہ انسان ہے جو اس نفس کا تزکیہ کرتا ہے یعنی خیرات و برکات سے اسے بڑھاتا ہے [نمبر: 164] اور ایک وہ جو اسے دفن کرتا اور چھپاتا ہے۔ گویا ان قویٰ کو نشوونما نہ دینا ایسا ہے جیسے ایک بیج کو ضائع ہونے کے لیے دفن کر دینا۔ تَدْسِيَةٌ کے لیے [دیکھو نمبر: 1752] یہی لفظ لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے پر بولا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سوائے تزکیہ کے تم فلاح حاصل نہیں کر سکتے اور نافرمانی کا رستہ آخر ناکامی لائے گا۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۴

مگر انہوں نے اسے جھٹلایا، پھر اس (اونٹنی) کو مار ڈالا تو اللہ نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان پر عذاب بھیجا، پھر اسے برابر کر دیا۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۵ ع 1/15/16

اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا۔ (3610)

3610۔ ﴿دَمْدَمَ﴾۔ دَمَّ اور ﴿دَمْدَمَ﴾ کے معنی ہیں ہلاک کیا اور اَرْجَفَ یعنی زلزلہ بھیجا اور غَضِبَ بھی اس کے معنی کیے گئے ہیں۔(ل)

اپنے عام قانون کو بیان کر کے ایک مثال بیان کی ہے اور وہ قوم ثمود کی ہے کہ جو بوجہ اپنے رسول کی حد درجہ کی مخالفت کے اسی دنیا میں ہلاک کر دیئے گئے اور اس قوم کو جن کا مسکن مدینہ کے شمال میں تھا۔ آنحضرت ﷺ کے مخالفین سے خاص مناسبت ہے۔[دیکھو نمبر: 2478] اور ﴿لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا﴾ میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ایک قوم کو ہلاک کرتا ہے تو یہ اس کی مصلحت و حکمت کے تقاضا سے ہوتا ہے کہ وہ اس کی جگہ اس سے بہتر کو لاتا ہے۔ اس لیے کسی قوم کی تباہی یا ہلاکت میں وہ انجام کا خوف نہیں کرتا۔ انجام بہر حال اچھا ہی ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو حق کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں تباہ کر دیئے جاتے ہیں اور حق دنیا میں قائم ہو جاتا ہے۔

اٰيَاتُهَا 21 (92) سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ (9) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾	رات گواہ ہے جب وہ پردہ ڈالتی ہے۔
وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾	اور دن جب وہ روشن ہوتا ہے۔
وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳﴾	اور نر اور مادہ کا پیدا کرنا۔
اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿۴﴾	بے شک تمہاری کوشش الگ الگ ہے۔(3611)
فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾	سو جو دیتا ہے اور تقویٰ کرتا ہے۔

سورۃ اللیل

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَللَّیْلِ ہے اور اس میں 21 آیتیں ہیں۔ اَللَّیْلِ نام میں یہ اشارہ ہے کہ رات اور دن یکساں نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں نیکی میں قدم اٹھانے والا اور اس کے لیے جدوجہد کرنے والا اور وہ جو حق کی تکذیب کرتا ہے یکساں نہیں۔ اور یہاں نیک اور بد کا مقابلہ دکھایا ہے گویا ایک کو دن کی روشنی سے تشبیہ دی ہے اور دوسرے کو رات کی تاریکی سے۔ چونکہ پچھلی سورت میں آنحضرت ﷺ کو عالم روحانی کا مرکز اور آفتاب قرار دیا تھا اس لیے اب بتایا ہے کہ اس آفتاب کی روشنی سے فائدہ اٹھانے والے اور اس کی پروانہ کرنے والے یکساں نہیں ہوسکتے بلکہ تاریکی کے فرزندوں کا انجام بھی تنگی اور تاریکی ہی ہے۔ تو یہاں بتایا ہے کہ اس کمال کا انحصار اپنی اپنی جدوجہد پر ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔

3611۔ رات کا تمام چیزوں پر تاریکی کا پردہ ڈال دینا، دن کا اپنی روشنی کے ساتھ عالم کو منور کر دینا، دونوں یکساں نہیں۔ پس اگر ایک انسان تصدیق حق میں کوشش کرتا ہے اور دوسرا تکذیب حق کی کوشش کرتا ہے تو دونوں کی کوشش کے نتائج بھی یکساں نہیں ہوسکتے اور خلق نر و مادہ میں یہ توجہ دلائی ہے کہ زوجیت کے عالمگیر اصول پر تمام ترقیات کا مدار ہے۔ پس جو انسان اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑتا ہے وہ روحانیت میں کس طرح ترقی کرسکتا ہے۔

وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾	اور اچھی بات کی تصدیق کرتا ہے۔
فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى ؕ﴿۷﴾	تو ہم اسے آسانی کی طرف چلائیں گے۔
وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾	اور جو بخل کرتا ہے اور پروا نہیں کرتا۔
وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾	اور اچھی بات کو جھٹلاتا ہے۔
فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ﴿۱۰﴾	تو ہم اسے تنگی کی طرف چلائیں گے۔
وَ مَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ؕ﴿۱۱﴾	اور اس کا مال اس کے کام نہ آئے گا جب وہ ہلاک ہوگا۔
اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰى ۖ﴿۱۲﴾	یقیناً رستہ دکھا دینا ہمارا کام ہے۔
وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾	اور بلاشبہ آخرت اور پہلی زندگی ہمارے لیے ہی ہے۔(3612)
فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۚ﴿۱۴﴾	سو میں تمہیں اس آگ سے ڈراتا ہوں جو شعلے مارتی ہے۔
لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۵﴾	اس میں کوئی داخل نہیں ہوتا مگر بڑا بدبخت۔
الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ؕ﴿۱۶﴾	جو جھٹلاتا ہے اور پیٹھ پھیر لیتا ہے۔
وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾	اور بڑا تقویٰ کرنے والا اس سے بچایا جاتا ہے۔
الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۚ﴿۱۸﴾	جو تزکیہ کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔(3613)

3612۔ یعنی اس دنیا میں بھی تصرف تام ہمارا ہے آخرت میں بھی۔ بدکار یہ نہ سمجھے کہ اس دنیا میں وہ خوش رہے گا۔

3613۔ ﴿الْاَشْقٰی﴾۔ اَشْقٰی اس میں داخل ہوتا ہے اور اَتْقٰی بچایا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر جو کامل طور پر معاصی میں منہمک ہے وہی آگ میں بھی پورا پورا داخل ہوتا ہے اور جو کامل طور پر تقویٰ اختیار کرتا ہے وہی کامل طور پر بچایا جاتا ہے۔ ان کے درمیان جو لوگ

وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۝۱۹ اور اس کے ذمے کسی کا احسان نہیں، جس کا بدلہ دیا جائے۔

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝۲۰ مگر اسے صرف اپنے رب بلند تر کی رضا منظور ہے۔

ع 1 21 17 وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى ۝۲۱ اور وہ جلد خوش ہو جائے گا۔(3614)

ہیں وہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا پاتے ہیں۔

3614۔ **رضائے الٰہی کی جنت:** پہلی آیت میں بتایا کہ کسی شخص کے پاس کوئی ایسی نعمت نہیں کہ جس کے دینے پر وہ بدلہ لینے کا حقدار ہو۔ کیونکہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہی ہے۔ اور ﴿اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى﴾ میں بتایا کہ جو بدلہ ملتا ہے وہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو چاہتا ہے اور محض خرچ کرنا رضا چاہنے کا عملی ثبوت نہیں۔ یہی روپیہ بعض وقت انسان بظاہر اچھے موقعہ پر خرچ کرتا ہے مگر اس کی غرض دکھاوا ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا اجر بھی کچھ نہیں۔ پس رضائے الٰہی کا چاہنا ہی اصل چیز ہے اور ہر ایک عمل اسی سے پرکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قدر رضائے الٰہی کی طلب کی ہوتی ہے اور جنت کی نعمت عظمیٰ بھی رضائے الٰہی ہی ہے۔ ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ [التوبة: 72:9] ''اور اللہ کی رضا سب سے بڑھ کر (نعمت) ہے۔'' گویا رضائے الٰہی چاہنے کا بدلہ رضائے الٰہی کا مل جانا ہے اور یہی جنت ہے۔ تفاسیر میں ہے کہ اس آیت کا نزول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کرنے پر ہوا، تب آپ نے اور غلاموں کو جنہیں دین اسلام کی وجہ سے دکھ دیا جاتا تھا خرید کر آزاد کیا۔ اور ایسے سات آدمی تھے جنہیں آپ نے خرید کر آزاد کیا اور کفار کی اذیت سے نجات دلائی۔

اٰیَاتُھَا 11 (93) سُوۡرَۃُ الضُّحٰی مَکِّیَّۃٌ (11) رُکُوۡعَاتُھَا 1

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَ الضُّحٰی ۙ﴿۱﴾	دن کی روشنی گواہ ہے۔
وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾	اور رات جب ساکن ہو جائے۔
مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾	تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہیں اور نہ وہ ناراض ہوا۔(3615)

سورۃ الضحیٰ

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلضُّحٰی ہے اور اس میں 11 آیتیں ہیں۔ پچھلی سے پچھلی سورت میں آنحضرت ﷺ کے کمالات کا نقشہ کھینچ کر آپ کو عالم روحانی کا آفتاب قرار دیا تھا اور اس کے بعد آپ سے روشنی لینے والوں اور اس روشنی کے رد کرنے والوں کا ذکر تھا۔ اب یہاں بتایا ہے کہ ظاہری نظارۂ قدرت کے مطابق اسلام کی اس پہلی جدوجہد کے بعد ایک سکون کا زمانہ بھی آئے گا جسے لیل سے مشابہت دی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو چھوڑے گا نہیں اور امر اسلام ترقی کرتا جائے گا سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

3615۔﴿سَجٰی﴾۔ سَجٰی کے معنی ہیں سَکَنَ حالت سکون میں ہوا۔[سَجَی الْبَحْرُ] سمندر ساکن ہو گیا۔(غ)

﴿وَدَّعَ﴾۔ وَدَعَ کے معنی ترک یا چھوڑ دینا ہے۔ اور ﴿وَدَّعَ﴾ کے معنی یہاں ہیں چھوڑ دیا۔(غ)

اسلام پر غربت کا زمانہ اور خوش خبری:

صحیح حدیث میں صرف اس قدر ہے کہ نبی ﷺ دو تین رات بیمار ہو گئے تو رات کو تہجد کے لیے نہیں اٹھتے تھے، تو ایک خبیث عورت نے کہا: [يَا مُحَمَّدُ اِنِّي لأَرْجُو اَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ لَمْ اَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ اَوْ ثَلاَثًا] (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: سورة وَالضُّحَى، حدیث: 4905)۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، یہ بخاری کے لفظ ہیں۔ مگر اول تو تہجد کے کے لیے نہ اٹھنے کو وحی کے آنے سے کوئی تعلق نہیں۔ اور دوسرے دو رات یا تین رات وحی کے نہ آنے پر ﴿وَدَّعَ﴾ اور ﴿قَلٰی﴾ کے لفظ بھی بولے نہیں جا سکتے، کیونکہ وحی کا روزانہ نازل ہونا کوئی لازمی امر نہ تھا۔ بلکہ یہاں

وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ۴

اور پچھلی حالت یقیناً تیرے لیے پہلی حالت سے بہتر ہے۔

وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ۵

اور تیرا رب تجھے جلد دے گا، سوتو خوش ہوجائے گا۔(3616)

اشارہ آئندہ زمانہ کی طرف معلوم ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے کہ اسلام پر زمانہ نبوی کے بعد ایک زمانہ غربت کا پھر آنے والا تھا[بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ](صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب: بَيَانِ أَنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا وَأَنَّهُ يَأْرِزُ بَيْنَ الْمَسْجِدَيْنِ، حدیث: 389) اور دن کی روشنی اور رات کے سکون کی گواہی کو جو پیش کیا ہے تو وہ بھی اسی لحاظ سے ہے یعنی ایک زمانہ تو اسلام پر ضحیٰ کا ہے جب سورج کی شعائیں تیز پڑ رہی ہیں اور کمال درجہ کی جدوجہد کی وجہ سے اسلام اور مسلمان نصرت الٰہی سے مالا مال ہورہے ہیں۔ اور ایک زمانہ اس کے بعد سکون کا ہے جب یہ جدوجہد نہ رہے گی اور بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نصرت چھوڑ دی ہے، اسے یہاں لیل کی سکون سے تعبیر کیا ہے۔ اسی موقعہ کے لیے یہ تشفی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی چھوڑے گا نہیں اور نہ آپ سے کبھی ناراض ہوگا۔ یعنی اس سکون کی حالت کو جو امت پر آئے آنحضرت ﷺ کے امر کی ترک نصرت یا اس سے ناراضگی کا نتیجہ نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ جس طرح دن کے بعد رات آتی ہے اسی طرح جدوجہد کے زمانے کے بعد سکون کے زمانے کا آنا لازمی امر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترک نصرت نہ ہونے کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد پھر آپ کا امر ایک ایسی حالت کی طرف عود کرے گا جو پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ یعنی دنیا میں اسلام کا ہی دور دورہ ہوگا اور ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾[التوبة: 33:9] ''تا کہ اس کو کل دینوں پر غالب کرے۔'' ہوکر آفتاب رسالت کی روشنی تمام عالم پر محیط ہوجائے گی۔ جیسا کہ اگلی آیت کا مفہوم ہے۔

3616۔ **اسلام کی ترقی رک نہیں سکتی:** ان دو آیات میں ﴿مَا وَدَّعَكَ﴾ کی مزید تشریح فرمائی ہے اور دو باتیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ آخرت تیرے لیے اولیٰ سے بہتر ہے اور دوسرا یہ کہ تیرا رب تجھے اس قدر برکات دے گا کہ تو راضی ہوجائے گا۔ اب ان کو اگر آخرت کے متعلق وعدہ لیا جائے تو ان سے ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ﴾ کے مضمون کو کوئی تقویت نہیں ملتی۔ اور یہاں اس کی غرض سوائے اس کے کچھ اور نہیں ہوسکتی اور یہ کوئی تسلی نہیں کہ خدا نے آپ کو چھوڑا نہیں۔ اس لیے کہ آخرت میں بڑے بڑے انعامات ملیں گے۔ نصرت الٰہی تو پہلے اس دنیا میں ظاہر ہونی چاہئے۔ اگر یہاں نصرت نہیں تو آخرت کے انعامات محض دعویٰ ہی دعویٰ رہ جائیں گے۔ اس لیے ابن عطیہ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہاں آخرت سے مراد نہایت امر آنحضرت ﷺ ہے اور اولیٰ سے مراد ابتدائے امر۔ (ر) میرے نزدیک مراد ہر پیچھے آنے والا وقت ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ کا امر ترقی ہی ترقی کرتا چلا جائے گا اور ہر پچھلی گھڑی پہلی گھڑی سے بہتر ہے اور قیامت بھی اس میں شامل ہے یعنی جب دنیا میں یہ امر کمال کو پہنچ جائے تو پھر قیامت میں ایک نئے رنگ میں اس کا ظہور ہوگا، یہاں تک کہ کل لوگ اس حالت پر آجائیں جس پر آنحضرت

اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ﴿۶﴾	کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا سو پناہ دی۔
وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی ﴿۷﴾	اور تجھے طالب پایا تو راستہ بتایا۔
وَ وَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ﴿۸﴾	اور تجھے تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔
فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡہَرۡ ﴿۹﴾	سو یتیم پر سختی نہ کر۔
وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡہَرۡ ﴿۱۰﴾	اور سوالی کو نہ ڈانٹ۔
ع 1/11/18 وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾	اور اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرتا رہے۔(3617)

صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو لانا چاہتے ہیں۔ پس یہاں یہ سمجھایا ہے کہ گو اسلام پر ترقی کے بعد سکون کے زمانے بھی آئیں گے مگر اسلام کا قدم پیچھے کسی صورت میں نہیں ہٹے گا۔ آج بھی چشم غور بین اس عجیب نظارہ کو دیکھ سکتی ہے کہ ایک طرف عیسائی طاقتیں اسلام کی دنیوی طاقت کو مٹانے میں ایڑی چوٹی تک زور لگا رہی ہیں اور دوسری طرف اصول اسلامی دلوں پر فتح حاصل کرتے چلے جاتے ہیں۔

3617۔ ﴿ضَآلًّا﴾۔ ضَآلّ سے مراد یہاں ہے [غَيْرَ مُهْتَدٍ لِمَا سِيْقَ إِلَيْكَ مِنَ النُّبُوَّةِ] یعنی خود اس نبوت کی طرف رستہ نہ پانے والا جو تجھے دی گئی۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق جو ضَلٰلٍ کا لفظ آتا ہے ﴿لَفِیۡ ضَلٰلِکَ الۡقَدِیۡمِ﴾ [یوسف: 95:12] ''اپنی پرانی غلطی میں ہے۔'' اور ﴿اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِ﴾ [یوسف: 8:12] ''یقیناً ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے۔'' تو اس سے مراد ان کی حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت محبت ہے اور یہی مراد ﴿اِنَّا لَنَرٰىہَا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ﴾ [یوسف: 30:12] ''ہم اسے صریح غلطی میں پاتی ہیں۔'' میں ہے۔ (غ) اور [ضَلَّ الشَّيْءُ] کے معنی [خَفِيَ وَغَابَ] ہیں یعنی وہ چیز مخفی ہوگئی اور غائب ہوگئی۔ [ضَلَّ الْمَآءُ فِي اللَّبَنِ] یعنی پانی دودھ میں غائب ہوگیا۔ (ل)

﴿تَنۡہَرۡ﴾۔ نَہۡرٌ۔ اِنۡتِہَارٌ کے معنی ہیں سختی سے روکنا۔ ﴿وَّلَا تَنۡہَرۡہُمَا﴾ [بنی اسرائیل: 23:17] ''اور نہ ان کو ڈانٹ۔'' (غ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طالب ہدایت ہونا اور ضال سے مراد:

یہ چھ آیتیں ایک ترتیب میں ہیں۔ پہلی تین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تین انعامات کا ذکر ہے۔ یتیم پایا اور پناہ دی، ضال پایا اور ہدایت دی، مفلس پایا اور غنی کیا۔ اور پچھلی تین میں تین ارشاد اسی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہیں۔ یتیم پر سختی نہ کرنا، سائل کو نہ ڈانٹنا، انہیں اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرنا۔ اب ظاہر ہے کہ جو نعمت اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کی اسی کے مطابق ایک

حکم بھی آپ کو دیا۔ چونکہ آپ کو یتیم پا کر پناہ دی تو اس کے مقابل پر فرمایا کہ تم بھی یتیموں کے ملجاو ماویٰ بن جاؤ اور کبھی یتیم پر سختی نہ کرو۔ اور جب آپ کو خالی ہاتھ پا کر غنی کیا تو اس کے مقابل پر اس نعمت کے چرچا کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اس لیے یہ ہدایت کہ تم سائل کو ڈانٹو نہیں ﴿وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ کے مقابل پر ہے یعنی تم بھی کسی وقت سائل تھے، اس لیے سائل کو مت ڈانٹو اور یہ معنی لفظ ضَآلّ کے درست بھی ہیں۔ اس لیے کہ ضَآلّ ایک معنی میں محب بھی ہے اور یا وہ ایسا طالب ہے کہ اپنے وجود کو طلب میں ہی محو کر دیتا ہے اور یہی حالت رسول اللہ ﷺ کی قبل از بعثت تھی۔ اور یا ضَآلّ کے معنی یہاں بے خبر ہیں یعنی اس ہدایت کی آپ کو خبر نہ تھی جو آپ کو ملی۔ اور یہ معنی امام راغب نے کیے ہیں اور قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی فرمایا ہے ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ [الشوریٰ: 52:42] ''تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ (یہ کہ اس پر) ایمان (کیا ہے)۔'' [دیکھو نمبر: 2980] اور یہ معنی ان الفاظ کے کرنا کہ آپ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ گمراہ تھے قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ اور تاریخی طور پر جو واقعات آنحضرت ﷺ کے متعلق ثابت ہیں ان کے بھی خلاف ہے۔ قبل از نبوت آپ کی دیانت اور امانت زبان زد عام وخاص تھی۔ یہاں تک کہ آپ کا نام ہی الامین ہو گیا تھا۔ عمل کے لحاظ سے تو یہ تاریخی شہادت موجود ہے اور اس کے علاوہ قرآن کریم نے بھی آپ کی پہلی زندگی کو بطور نمونہ پیش کیا ہے ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [یونس: 16:10] ''میں تو تم میں اس سے پہلے ایک عمر رہا ہوں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔'' اور عقائد کے پہلو سے بھی آنحضرت ﷺ کا توحید پر قائم رہنا ثابت ہے۔ چھوٹی عمر میں جب آپ سفر شام میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ گئے تو اس وقت بھی آپ نے بتوں کے ذکر پر فرمایا کہ مجھے کسی چیز سے ایسی نفرت نہیں جیسی ان بتوں سے۔ اور قرآن کریم کی نص صریح ہے کہ آپ نے کبھی اور کسی وقت بھی بتوں کی عبادت نہیں کی۔ ﴿وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ﴾ [الکافرون: 4:109] ''اور نہ میں کبھی اس کی عبادت کرنے والا ہوا جس کی تم عبادت کرتے تھے۔'' [دیکھو نمبر: 3660]۔ غرض کیا بلحاظ عقائد اور کیا بلحاظ اعمال آپ شروع سے ہی جادۂ صواب پر قدم زن تھے۔ ہاں وحی الٰہی نے مزید راہیں کمالات اور ہدایت خلق کی آپ کے سامنے کھول دیں اور وہ چیز جس کی تڑپ آپ کے دل کو کھا رہی تھی ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ [الشعراء: 3:26] ''شاید تو اپنی جان کو ہلاک کر دے کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔'' اس کے لیے سامان پیدا کر دیئے۔ آپ کی ضلالت مخلوق خدا کے لیے آپ کی بے حد محبت تھی۔ اور سائل سے مراد بھی سائل دینی ہے جیسا کہ نِعْمَةِ سے مراد نبوت ہے اور یہ معنی نِعْمَةِ کے مجاہد سے مروی ہیں۔ (ج) پس اس کے مقابل پر جو فرمایا کہ ﴿وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى﴾ تو غنا بھی بلحاظ علم کے ہے۔

اٰیَاتُھَا 8 (94) سُوْرَۃُ الْاِنْشِرَاحِ مَکِّیَّۃٌ (12) رُکُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۙ﴿۱﴾ — کیا ہم نے تیرے لیے تیرا سینہ نہیں کھولا؟

وَ وَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ۙ﴿۲﴾ — اور تجھ سے تیرا بوجھ اتار دیا۔

الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ ۙ﴿۳﴾ — جس نے تیری پیٹھ توڑ رکھی تھی۔(3618)

سورۃ الانشراح

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْاِنْشِرَاحِ یا اَلَمْ نَشْرَحْ ہے اور اس میں 8 آیتیں ہیں اور اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی صداقت کے دلائل قائم کر دیئے ہیں، اس لیے اب اسلام ناکام نہیں ہو سکتا۔ یہ سورت بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔ اسے سورہ ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ﴾ بھی کہا جاتا ہے۔

3618۔ بعض لوگوں نے یہاں اس واقعہ شرح صدر کی طرف اشارہ سمجھا ہے جو بچپن میں اور پھر بعد بلوغت آپ کو پیش آیا۔ اور وہ ایک کشفی نظارہ تھا جس میں یہ دکھایا گیا کہ آپ کے دل کو ہر قسم کی آلائش سے پاک کیا گیا ہے اور معراج کے وقت بھی ایسے ہی واقعہ کے پیش آنے کا ذکر صحیح روایات میں پایا جاتا ہے۔ لیکن شرح صدر سے مراد یہاں وہی ہے جو راغب نے بیان کیا ہے [دیکھو نمبر: 1014] یعنی انوار الٰہی اور سکینت سے آپ کے سینہ مبارک کا بھر جانا اور یہ بذریعہ وحی وقوع میں آیا۔ بعینہٖ ایسے ہی الفاظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ﴾ [طٰہٰ: 25:20] ''میرے رب میرا سینہ کھول دے۔'' جہاں مراد دلائل کا میسر آنا ہے۔ [دیکھو نمبر: 2057] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح عالم کے لیے بہت متفکر تھے اور آپ کو کوئی رستہ نظر نہ آتا تھا۔ وہ دلائل نہ ملتے تھے جن سے توحید باری کو دنیا میں قائم کر سکیں کہ وحی الٰہی نے نزول فرما کر آپ کا سینہ کھول دیا اور دلائل سے بھر دیا۔ اور آپ کا وہ بوجھ جس نے آپ کی پیٹھ توڑ رکھی تھی اتار دیا۔ اس لیے کہ وحی نے آپ کے قلب مبارک کو اطمینان سے بھر دیا اور ہر طرح کے علمی دلائل آپ پر کھل گئے اور آپ کا بوجھ جو اتار دیا گیا وہ بھی یہی تفکرات کا بوجھ تھا۔ اس غم نے کہ دنیا کس طرح اپنے مولیٰ سے دور پڑی ہوئی اور ناپاکیوں میں ملوث ہے آپ کی پیٹھ کو توڑ رکھا تھا ﴿لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ [الشعراء: 3:26] ''شاید تو اپنی جان کو ہلاک کر دے گا کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔'' اللہ تعالیٰ نے جب آپ

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴ اور ہم نے تیرے ذکر کو تیرے لیے بلند کیا۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۵ تو تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۶ ہاں تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔(3619)

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷ سو جب تو فارغ ہو تو کام میں لگ جا۔

ع 1/8/19 وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸ اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔(3620)

کے سینے کو روشن کر دیا اور رستے کھول دیئے تو وہ بوجھ بھی ہلکا ہو گیا اور رفع ذکر بھی عطائے نبوت سے ہوا۔

3619۔ اس میں یہ بتایا کہ گو دلائل مل گئے وہ غم کا بوجھ ہلکا ہو گیا مگر تنگی اور تکلیف اٹھانے کے بغیر مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ مضبوط وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل گیا کہ کچھ تکلیف اٹھانے کے بعد یسر کی حالت پیدا ہو جائے گی۔ اور ان الفاظ کے دہرانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دو دفعہ اسلام پر مصیبت اور تنگی آئے گی۔ ایک اس کی ابتدا میں اور ایک آخر میں اور دونوں دفعہ عسر کے بعد یسر یقینی ہے۔ اسلام کے موجودہ مصائب میں یہ آیت مسلمانوں کے زخمی دلوں کے لیے مرہم کا کام دیتی ہے۔ اور اسلام پر دوسری دفعہ مصیبت کا آنا احادیث سے بھی ظاہر ہے۔ [دیکھو نمبر: 3615]

3620۔ یہاں فَرَاغَ اور نَصَبْ کے متعلق مختلف خیالات ہیں۔ ایک عبادت سے فارغ ہو تو دوسری عبادت میں لگ جاؤ۔ عبادت سے فارغ ہو تو دعا میں لگ جاؤ، جنگ سے فارغ ہو تو دعا اور عبادت میں لگ جاؤ۔ امر دنیا سے فارغ ہو تو عبادت رب میں لگ جاؤ۔ (ج) لیکن چونکہ اوپر ذکر تھا کہ ہم نے آپ کا بوجھ ہلکا کر دیا اور آپ کو غم و فکر سے خالی کر دیا تو وہی فارغ ہونا یہاں مراد ہے۔ یعنی اب جبکہ وہ تفکرات دور ہو گئے تو جو کام تمہارے سپرد ہوا ہے اسی میں ساری توجہ لگا دو۔ اور جس رب نے یہ ہدایت دی ہے اسی کی طرف جھکے رہو یا اسی کے کام میں لگے رہو اور اس کا نام پھیلانے کی کوشش کرو۔

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ (95) (28) اٰيَاتُهَا 8 رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① — انجیر اور زیتون گواہ ہیں۔

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② — اور سینا پہاڑ۔

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③ — اور یہ امن والا شہر۔(3621)

سورۃ التین

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلتِّیْنِ ہے اور اس میں 8 آیتیں ہیں۔اس کے نام میں سلسلہ موسویہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بتایا ہے کہ انسان کا بلند مرتبہ اخلاق فاضلہ پر قائم رہنے سے رہتا ہے۔اور ضمناً یہ بھی بتایا ہے کہ سلسلہ محمدیہ جو بلد امین میں قائم کیا جاتا ہے وہ تا قیامت باقی رہے گا۔جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور بعض لوگوں نے اسے مدنی بھی کہا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔

3621۔﴿اَلتِّیْنِ﴾۔ تِیْنِ اور ﴿زَیْتُوْنِ﴾ کہا گیا ہے کہ دو پہاڑ ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ دو درخت ہیں۔(غ) اور بعض نے کہا یہ شام میں دو پہاڑ ہیں اور بعض نے کہا کہ شام میں دو مسجدیں ہیں۔(ل) اور تِیْنَۃٌ انجیر کا درخت ہے۔

انجیر وزیتون کی شہادت سے مراد:

یہاں چار چیزوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔انجیر اور زیتون اور سینا پہاڑ اور بلد امین یعنی شہر مکہ۔انجیر کا ذکر تو قرآن شریف میں دوسری جگہ نہیں مگر زیتون کا ذکر خصوصیت سے سورۂ نور میں آیا ہے جہاں نور محمدی کو درخت زیتون سے روشن قرار دے کر اس سے مشابہت دی ہے۔اور دوسری طرف ہم بائبل کو دیکھتے ہیں تو وہاں انجیر کے درخت کو سلسلہ اسرائیلی سے مشابہت دی ہے۔ چنانچہ یرمیاہ کا کشف [باب: 24] میں اس طرح مذکور ہے کہ ''دو ٹوکریاں انجیروں کی خداوند کے ہیکل کے سامنے دھری تھیں۔ ایک ٹوکری میں اچھے سے اچھے انجیر تھے اور دوسری ٹوکری میں برے سے برے انجیر۔'' اور پھر آگے چل کر اچھے انجیروں کو بنی اسرائیل کے اچھے لوگ قرار دیا ہے اور برے انجیروں کو برے لوگ۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشہور انجیر کے درخت پر لعنت کرنے کے واقعہ میں بھی درحقیقت اسی طرف اشارہ ہے۔[دیکھو متی باب: 21] ''اور جب صبح کو شہر میں جانے لگا اسے بھوک لگی تب انجیر کا ایک درخت راہ کے کنارے دیکھ کر اس کے پاس گیا اور جب پتوں کے سوائے اس میں کچھ نہ پایا تو کہا

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿۴﴾ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ﴿۵﴾ پھر اسے ذلیل سے ذلیل حالت کی طرف بھی لوٹا دیتے ہیں۔(3622)

اب سے تجھ میں کبھی پھل نہ لگے، وہیں انجیر کا درخت سوکھ گیا۔'' اب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو انجیر کے درخت پر کیا خفگی آسکتی تھی کہ اس پر پھل نہیں۔ کیونکہ وہ پھل کا موسم بھی نہ تھا۔ اصل میں یہ ایک تمثیل تھی جسے لفظ پرست انجیل نویسوں نے واقعہ کا رنگ دے دیا۔ انجیر کا درخت سلسلہ بنی اسرائیل کے قائم مقام تھا اس پر پتے تھے پھل نہ تھا، یعنی ظاہر طور پر کچھ افعال اچھے نظر آتے تھے مگر حقیقت سے وہ بھی خالی تھے۔ اور حضرت مسیح نے بتا دیا کہ آئندہ کے لیے یہ درخت سوکھ گیا اور اس میں کوئی نبی نہیں آئے گا۔ پس انجیر سلسلہ اسرائیل کے قائمقام ہے اور زیتون سلسلہ محمدی کے۔ اور اسی کی وضاحت کے لیے لف ونشر مرتب کے طور پر طور سینا کا ذکر کیا جہاں سے سلسلہ موسوی کی ابتدا ہوئی اور پھر بلد امین یعنی مکہ معظّمہ کا جہاں سلسلہ محمدیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اور یہاں ﴿اَلْبَلَدِ﴾ کے ساتھ ﴿اَلْاَمِیْنِ﴾ کا لفظ بڑھایا جس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ شہر امانت حق کو ہمیشہ کے لیے ادا کرتا رہے گا۔ گویا اس سلسلہ کا قیام جو بلد امین میں قائم ہوتا ہے طور سینا کے سلسلہ کی طرح ایک وقت جا کر ختم نہیں ہو جائے گا اور شاید سینا پہاڑ کی تجلی الٰہی کے وقت دَکّا ہو جانے میں یہی اشارہ ہو۔ اور ان چاروں چیزوں کی شہادت اس بات پر ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہترین صورت پر پیدا کیا ہے اور اس میں ایسی استعداد رکھی ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنے عملوں کی وجہ سے گر کر ذلیل حالت کی طرف بھی چلا جاتا ہے۔ سلسلہ موسویہ کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے اور سلسلہ محمدیہ کی تاریخ بھی یہی سبق ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔

3622۔ ﴿تَقْوِیْمٍ﴾ کسی شے کی تقویم اس کا راست کرنا ہے اور یہاں اشارہ اس بات کی طرف ہے جس کے ساتھ حیوانوں میں سے انسان کو خاص کیا گیا ہے یعنی عقل اور فہم اور قامت کی راستی دے کر کہ جس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ اس کو ہر شے پر جو اس عالم میں ہے غلبہ حاصل ہے۔ (غ)

﴿اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ سے مراد جیسا کہ امام راغب نے لکھا ہے صرف جسمانی ساخت کی عمدگی نہیں جس کے لحاظ سے وہ تمام جانداروں سے افضل ہے، بلکہ اس میں عقل اور فہم کے علاوہ اخلاق فاضلہ اور تعلق باللہ بھی شامل ہیں اور فی الحقیقت اخلاق کی طرف ہی یہاں خاص اشارہ ہے۔ کیونکہ اخلاق بلند سے ہی انسان بلند مقام پر پہنچا ہے اور جب اس کے اخلاق گر جائیں تو دوسرے حیوانات سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں وہ خود اشرف ہو کر اپنے سے ادنیٰ یا اپنے جیسی چیزوں کے سامنے اپنے آپ کو جھکا کر ذلیل کرتے ہیں۔ ﴿اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾ پر وہی انسان قائم رہ سکتا ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے آگے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ اور ﴿رَدَدْنٰهُ﴾ میں فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے، اس لیے کہ

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ۭ6

مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے ہیں تو ان کے لیے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہوتا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ۭ7

تو کیا چیز تجھے اس کے بعد جزا کے معاملہ میں جھٹلا سکتی ہے؟(3623)

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ۧ8

ع 1 8 20

کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر نہیں؟

ان کے اعمال بد کی جزا وہی انہیں دیتا اور ذلیل کرتا ہے۔

3623۔ جمہور نے خطاب عام لے کر اس کے یوں معنی کیے ہیں کہ اے انسان! اس دلیل کے بعد کیا چیز ہے کہ تجھے جزا اور سزا کے انکار کی وجہ سے کاذب بنائے کیونکہ تکذیب حق سے انسان خود کاذب ہو جاتا ہے اور قتادہ اور فراء وغیرہ کا قول ہے کہ خطاب محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے اور اس معنی میں خطاب ہر حامل قرآن سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ کیا چیز تجھے جزا کے اس بیان کے بعد جھٹلا سکتی ہے یعنی استفہام نفی تکذیب کے لیے ہے۔ اور آخری آیت کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جواباً کہا جاتا ہے [بَلٰى وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ] (سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب: مِقْدَارِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، حدیث: 887)۔

اٰيَاتُهَا 19 (96) سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ (1) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝١	اپنے رب کے نام سے پڑھ، جس نے پیدا کیا۔
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢	انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣	پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے۔
الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝٤	جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥	انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (3624)

سورۃ العلق

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْعَلَقِ ہے اور اس میں 19 آیتیں ہیں۔ عَلَقِ انسان کی وہ حالت ہے جب وہ ماں کے رحم سے تعلق پکڑتا ہے اور تب اس میں ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے اور چونکہ اس سورت کی ابتدائی آیات میں سب سے پہلی وحی ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی تو اس تمام میں یہ اشارہ ہے کہ اب اس نئے تعلق سے جو ذات باری کے ساتھ پیدا ہوتا ہے آپ کو ایک نئی زندگی دی جاتی ہے اور اس میں اشارہ اس انقلاب عظیم کی طرف ہے جو ایک گمنام آدمی کے ذریعہ سے دنیا میں ہونے والا تھا۔

اس سورت کا پہلا حصہ سب سے پہلی وحی ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی اور باقی حصہ بھی ابتدائی مکی زمانہ کا ہی ہے۔

3624۔ یہ پانچ آیتیں بالاتفاق سب سے پہلی وحی ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی۔ باقی آیات اس سورت کی بعد میں نازل ہوئیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بخاری میں ہے کہ جب فرشتے نے کہا ﴿اِقْرَاْ﴾ تو آپ نے کہا [مَا اَنَا بِقَارِئٍ] (صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب: كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، حدیث: 3) ''میں پڑھنا نہیں جانتا''۔ تب اس نے آپ کو خوب زور سے دبایا اور تین دفعہ اسی طرح ہوا، تب فرشتے نے یہ پانچ آیات پڑھیں اور آپ ان کے ساتھ گھر واپس ہوئے اور وحی کا رعب آپ کے اوپر اس قدر طاری تھا کہ آپ کے مونڈھے اور گردن کا گوشت پھڑک

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۙ﴿۶﴾ نہیں انسان سرکشی اختیار کرتا ہے۔

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ اس لیے کہ وہ اپنے تئیں بے نیاز سمجھتا ہے۔(3625)

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿۸﴾ تیرے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

رہا تھا۔ بعض لوگوں نے سخت غلطی کھائی ہے جو یہ خیال کیا ہے کہ یہ خوف آپ کو اس وجہ سے تھا کہ آپ کو شک تھا کہ نعوذ باللہ یہ جنون یا شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کے لیے انسان کو ایک دوسرے عالم میں منتقل ہونا پڑتا ہے اور چونکہ یہ انتقال حالت بیداری میں ہوتا ہے اس لیے انسان پر ایک حالت موت کی طرح طاری ہوتی ہے۔ یہ تو آپ کا پہلا تجربہ تھا، بعد میں بھی یہ حالت تھی کہ جب وحی آتی تو سخت سردی کے دن میں آپ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آجاتا۔

اس سب سے پہلے پیغام کا کیا منشا ہے جو خاتم النبیین پر نازل ہوا۔ سب سے پہلے پڑھنے کو کہا اور پڑھنا بھی رب کے نام کی استعانت سے اور اس کے ساتھ ہی انسان کو علق سے پیدا کرنے کا ذکر کیا۔ پھر پڑھنے کو کہا اور اس کے ساتھ رب اکرم کا ذکر کیا، جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے علم دیا ہے۔ یہ امر غور طلب ہے کہ یہاں علق سے پیدا کرنے کا کیوں خصوصیت سے ذکر کیا؟ نطفہ سے پیدا کرنے کا ذکر کیوں نہ کیا جو بیشتر قرآن شریف میں آتا ہے۔ علق کے لیے [دیکھو نمبر: 743]۔ یہ اصل میں کسی چیز سے لٹک جانے یا تعلق پیدا کرنے کا نام ہے اور علقہ نطفہ کی وہ حالت ہے جب وہ رحم مادر سے تعلق پیدا کر لیتا ہے، بغیر اس تعلق کے نطفہ کچھ چیز نہیں۔ انسان کی زندگی کی ابتدا نہیں ہوتی جب تک کہ نطفہ رحم مادر سے تعلق نہیں پکڑتا۔ اور ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ میں اسی طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے انسان کی اس اعلیٰ زندگی کی ابتدا ہوتی ہے جس سے اکثر لوگ بے خبر ہیں۔ اور پھر جو دہرایا ﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ تو گویا بتایا کہ اس کے ساتھ تعلق پیدا کر کے انسان حقیقی عزت حاصل کرتا ہے اور اگر بار بار پڑھنے کی طرف توجہ دلائی تو ساتھ ہی لکھنے کی طرف بھی توجہ دلائی کہ علم کی ترقی قلم سے ہی ہوتی ہے۔ علم انسانی کی اصل ترقی اسی وقت شروع ہوئی جب سے انسان نے قلم کا استعمال شروع کیا۔ تو یوں گویا انسان کی ساری ترقیوں کی جڑ پڑھنے اور لکھنے کو قرار دیا۔ ہاں ساتھ ﴿بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ میں یہ توجہ دلائی کہ اعلیٰ زندگی کی ابتدا اللہ تعالیٰ سے تعلق سے ہوتی ہے اور اسی سے انسان کو عزت ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک گمنام آدمی تھے، گو آپ کے جاننے والے آپ کی فطری پاکیزگی کی وجہ سے آپ کی عزت کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے کلام کے نزول نے آپ کی زندگی کو اتنا بڑا پلٹا دیا کہ آپ دنیا کی سب سے زبردست طاقت بن گئے اور انسانوں میں اور قوموں کی زندگیوں میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور یہ انقلاب جو ﴿اِقْرَاْ﴾ سے وقوع میں آیا اس بات کی شہادت ٹھہری کہ اس کلام میں کس قدر طاقت بھری ہوئی ہے۔ آج بھی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے اسی ﴿اِقْرَاْ﴾ کے حکم کی تعمیل لازم ہے۔

3625۔ یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا محتاج نہیں سمجھتا اور اپنے مال و دولت کو کافی سمجھتا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ﴿۹﴾	کیا تو نے اسے دیکھا جو بندے کو روکتا ہے۔
عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾	جب وہ نماز پڑھتا ہے۔(3626)
اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ۙ﴿۱۱﴾	کیا تو نے دیکھا اگر وہ ہدایت پر ہوتا؟
اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ﴿۱۲﴾	یا تقویٰ کا حکم دیتا۔
اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ؕ﴿۱۳﴾	کیا تو نے دیکھا اگر اس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیر لی۔
اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ﴿۱۴﴾	کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ دیکھتا ہے؟
كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ﴿۱۵﴾	نہیں، اگر وہ نہ رکے گا تو ہم اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔(3627)
نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ﴿۱۶﴾	جھوٹی خطا کار پیشانی (سے)۔
فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ﴿۱۷﴾	سو وہ اپنے اہل مجلس کو بلالے۔

3626۔ بخاری میں ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتا دیکھوں گا تو آپ کی گردن لتاڑ دوں گا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر وہ ایسا کرے تو فرشتے اسے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ اور اصل یہ ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ سے سرکشی اختیار کرتا ہے تو پھر اپنا تعلق ہی نہیں توڑتا بلکہ آہستہ آہستہ دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتا ہے اور اسی کی طرف یہاں اشارہ ہے۔

3627۔ ﴿نَسْفَعًا﴾۔ سَفَعَ اصل میں سیاہی کو کہتے ہیں اور [سَفَعَتْهُ السُّمُوْمُ] گرم ہوا نے اسے سیاہ کر دیا۔ اور ﴿نَاصِيَةٍ﴾ کے ساتھ اس کے معنی جذب اور اخذ ہوتے ہیں اور پیشانی کے بالوں سے پکڑنے سے مراد اس کا ذلیل کرنا ہے اور بعض نے پیشانی کو منہ کی جگہ لے کر سیاہ کرنا بھی معنی لیے ہیں۔ (ل) دیکھو ﴿اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا﴾ [ھود: 56:11] ''اس کی چوٹی کو پکڑے ہوئے ہے۔'' پر [نمبر: 1474]۔

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ لا — ہم بھی بہادروں کو بلالیں گے۔ (3628)

ع 1 19 21 — كَلَّا ط لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾ السجدة ۩ — نہیں، اس کی بات نہ مان اور سجدہ کر اور قرب حاصل کر۔ — السجدة 14

3628۔ ﴿زَبَانِيَةَ﴾۔ زَبْنٌ کے معنی دفع ہیں اور ﴿زَبَانِيَةَ﴾ وہ جو لوگوں کو روکتے ہیں اور عرب کے لوگ شُرَطْ یعنی اعوان و انصار کو ﴿زَبَانِيَةَ﴾ کہتے ہیں اور زجاج کے نزدیک اس کے معنی غلاظ وشداد ہیں۔ (ل)

یہاں مطلب سزا دینے والوں سے ہے جن کا یہ اعدائے حق مقابلہ نہ کر سکیں گے اور اس دنیا میں بھی ان کو سزا ملی اور ان کے اہل مجلس اسلام کے بہادروں کے مقابلہ میں ذلیل ہوئے۔

اٰیَاتُھَا 5 (97) سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ (25) رُكُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① — ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اتارا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ② — اور تجھے کیا خبر ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟(3629)

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ③ — لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔(3630)

وقف النبی ﷺ

سورۃ القدر

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْقَدْرِ ہے اور اس میں 5 آیتیں ہیں۔ اس کے نام میں یہ اشارہ ہے کہ اس میں امور خیر و برکت نازل ہوتے ہیں۔ اس سورت میں اصل ذکر قرآن کریم کے نزول کا ہے جو ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ میں اتارا گیا، اسی موزونیت کے لحاظ سے اس کا نام اَلْقَدْرِ ہے۔ یہ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے، اور جن لوگوں نے اسے مدنی کہا ہے وہ ایک ضعیف روایت کی بنا پر ہے۔

3629۔ ﴿لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾۔ قدر کے معنی قضاء اور حکم ہیں اور ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ حکم کی رات ہے ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾ [الدخان: 44:4] ''پھر حکمت کی بات کا اس میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔'' (ل) اور ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ﴾ [الأنعام: 91:6] ''اور انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانا (جس طرح) اس کے پہچاننے کا حق ہے۔'' میں قدر کے معنی تعظیم بھی لیے گئے ہیں۔ [دیکھو نمبر: 981] ﴿اَنْزَلْنٰهُ﴾ میں ضمیر قرآن کریم کی طرف ہی جاتی ہے اور ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ کے بعد جو سب سے پہلی وحی ہے ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ﴾ کو لا کر صاف بتا دیا ہے کہ مراد ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ میں اتارنے سے یہی ہے کہ اس میں قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مختلف زمانوں کی نازل شدہ سورتوں کو شدید تعلق کی وجہ سے موجودہ ترتیب پر رکھا گیا ہے۔ ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ کیا ہے؟ اور اس میں قرآن کے اتارنے سے کیا مراد ہے؟ [دیکھو نمبر: 3025] و [نمبر: 3026]۔

3630۔ __لیلۃ القدر کی عظمت__ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور یہاں ہزار کا لفظ تکثیر کے لیے ہے، مگر اس میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کا زمانہ تمام زمانوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اسی طرح ہر صدی

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۛ﴿۴﴾ اس میں فرشتے اور روح اپنے رب کے اذن سے ہر امر (خیر) کو لیے ہوئے اترتے ہیں۔(3631)

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾ سلامتی، یہ فجر کے طلوع تک ہے۔(3632)

کے سر پر جو خلفاء آئیں گے ان کا زمانہ صدی کے باقی زمانہ پر فوقیت رکھنے والا ہے۔ کیونکہ ہزار مہینے تراسی سال کے قریب بنتے ہیں اور بیس سال کے قریب، گویا ہر صدی میں مجدد کا زمانہ ہے۔ اسی قسم کا ایک اشارہ روح المعانی میں بھی بیان ہوا ہے کہ اس میں بنوامیہ کی سلطنت کی طرف اشارہ ہے جو اسّی سال کے قریب رہی۔

3631۔ روح کے متعلق یہاں بھی وہی مختلف اقوال ہیں جو [نمبر: 3425] میں بیان ہوئے اور گو رحمت یا وحی بھی یہاں معنی ہو سکتے ہیں مگر اصل مطلب روح کے اترنے کا روحانی زندگی کا نزول ہے۔ گویا لیلۃ القدر سے ایک نئی روحانی زندگی مومنین کو ملتی ہے اور ﴿مِنْ كُلِّ اَمْرٍ﴾ سے مراد ہر امر خیر و برکت ہے اور مِنْ ب کے معنی میں ہے۔ (ر) اور یہ بالکل اس کے مطابق ہے جو دوسری جگہ فرمایا: ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾ [الدخان: 44:4] ''پھر حکمت کی بات کا اس میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔'' [دیکھو نمبر: 3026]۔

3632۔ ﴿سَلٰمٌ﴾ کے معنی ہر خوف کے امر سے سلامتی ہے اور اسے ﴿هِيَ﴾ کی خبر مقدم کہا گیا ہے مگر ﴿سَلٰمٌ﴾ پر وقف ہے۔ اس لیے ﴿سَلٰمٌ﴾ میں اشارہ ﴿مِنْ كُلِّ اَمْرٍ﴾ کی طرف معلوم ہوتا ہے یعنی جو امور نازل ہوتے ہیں وہ سلامتی کا موجب ہیں اور ﴿هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح فجر کے ساتھ نور آفتاب کی روشنی نظر آنے لگتی ہے اسی طرح یہ ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ انوار و برکات کو لانے کا موجب ہے۔

اٰیَاتُهَا 8 (98) سُوْرَةُ الْبَیِّنَةِ مَکِّیَّةٌ (100) رُکُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۙ۝۱

وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرک (گناہ سے) باز آنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔ (3633)

سورۃ البینۃ

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْبَیِّنَةِ ہے اور اس میں 8 آیتیں ہیں۔ یہاں رسول کریم ﷺ کو کھلی دلیل قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ دنیا گناہ اور ناپاکی میں اس قدر ملوث ہوگئی تھی کہ بغیر آسمانی بارش اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے اس کا گناہ کی غلامی سے نکلنا محال تھا۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی قوت قدسی دنیا میں نہ آتی تو دنیا شرک وضلالت سے باہر نہ نکل سکتی۔ یہ سورت جمہور کے قول میں مکی ہے لیکن بعض لوگوں نے اسے اس بنا پر مدنی کہا ہے کہ بعض روایات میں یہ ذکر ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے اُبی کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں یہ پڑھاؤں۔ مگر بخاری میں یہ لفظ نہیں کہ جب یہ نازل ہوئی تو اس وقت فرمایا، بلکہ عام لفظ ہیں۔ اور صحیح یہی ہے کہ یہ مکی ہے اور غالباً ابتدائی مکی زمانہ کی ہی ہے اور اُبی کو پڑھانے کا حکم شاید اس لیے ہوا ہو کہ وہ اہل کتاب میں سے ایمان لائے تھے اور یہاں اہل کتاب کو ان کی اپنی کوششوں کی ناکامی کی طرف توجہ دلائی ہے۔

3633۔ ﴿مُنْفَكِّیْنَ﴾۔ [فَكَكْتُ الشَّیْءَ] کے معنی ہیں خَلَّصْتُهٗ اسے نجات دی یا آزاد کر دیا۔ اسی سے [فَكُّ الرَّهْنَ] ہے اور ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ [البلد: 13:90] غلام کا آزاد کرنا ہے۔ [دیکھو نمبر: 3605] اور فَكَّهٗ سے لازمی ہے اِنْفَكَّ یعنی وہ آزاد ہو گیا یا نجات پا گیا۔ (ل) بخاری میں ہے [مُنْفَكِّیْنَ زَائِلِیْنَ] (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب (كَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ. نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ، 98) یعنی کفر وشرک کو چھوڑنے والے۔

دنیا کے لیے ایک نجات دہندہ کی ضرورت تھی:

پچھلی سورت میں نزول قرآن کا ذکر تھا اور یہ بتایا تھا کہ اس زمانہ نزول قرآن میں دنیا خیر و برکت سے بھر جائے گی۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢	اللہ کی طرف سے رسول جو پاک صحیفے پڑھتا ہے۔
فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣	جس میں قائم رہنے والی کتابیں ہیں۔(3634)
وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤	اور جنہیں کتاب دی گئی تھی انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیل آ گئی۔(3635)
وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ	اور انہیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ (تعالیٰ) کی عبادت

یہاں دوسرے پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اہل کتاب اور مشرک ان ناپاکیوں سے جن میں وہ ملوث ہو گئے تھے اور گناہ کی غلامی سے آزاد ہونے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس خدا کا رسول آتا جو ان پر پاک صحیفے پڑھتا اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی حالت کفر و شرک کی تاریکیوں میں پڑ کر یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اب کوئی معمولی واعظ انہیں اس سے آزاد نہ کر سکتا تھا جب تک کہ ایک فرستادۂ خدا ان کو پاک نہ کرتا۔ اور یہ امر تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے جزیرہ نمائے عرب کو شرک سے پاک کرنے کے لیے صدیوں تک زور لگایا مگر ان کی ساری کوششوں کا نتیجہ ملک عرب کی اخلاقی حالت پر اتنا بھی نہ ہوا جتنا سمندر کی سطح پر ایک ہلکی لہر کا اثر ہوتا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو خود میور نے لکھی ہے۔ اور فی الحقیقت جو لوگ خود ناپاکیوں کے اندر مبتلا تھے وہ دوسروں کو کیونکر ناپاکیوں سے نکال سکتے تھے۔ اسی مناسبت سے آگے ﴿صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ کا ذکر آتا ہے۔ گویا بتایا ہے کہ رسول کے آنے کی ضرورت اس لیے تھی کہ پہلے اہل کتاب اس قابل نہ رہے تھے کہ وہ دوسروں کو گناہ کی غلامی سے نجات دلا سکتے، بلکہ وہ خود ایک نجات دہندہ کے محتاج تھے۔ اور ﴿مُنْفَكِّيْنَ﴾ کے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ برے اچھوں سے الگ ہونے والے نہ تھے۔

3634۔ یہاں بتایا کہ وہ کھلی دلیل جو دنیا کو گناہ کی غلامی سے آزاد کر سکتی ہے اللہ کا رسول ہے اور وہ پاک صحیفے پڑھتا ہے اور انہی سے اب دنیا پاک ہو سکتی ہے۔ اور ﴿فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ کے بڑھانے میں یہ اشارہ ہے کہ **اس قرآن میں پہلی کتابوں کی تمام وہ تعلیم موجود ہے** جو قائم رکھنے کے قابل تھی۔ اور قرآن کو صحیفے کہہ کر بتا دیا کہ اس وقت بھی قرآن کریم برابر لکھا جاتا تھا۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ ان صحیفوں پر سے پڑھتے ہوں۔

3635۔ ﴿تَفَرَّقَ﴾ سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مومن اور کافر الگ الگ ہوئے اور یہ بھی کہ اہل کتاب نے حق سے تفرقہ کیا اور اگلی آیت میں بتایا کہ ان کا یہ تفرقہ کرنا کیسا بے معنی ہے۔ اس لیے کہ انہیں نیکی اور عبادت کی طرف ہی بلایا جاتا تھا اور یہی انبیاء پہلے بھی کرتے رہے۔

الدِّیْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَ یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ ؕ﴿۵﴾

کریں، اس کے لیے فرمانبرداری کو خالص کرتے ہوئے راست رو ہوں۔ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی ٹھیک دین ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَہْلِ الْکِتٰبِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ؕ﴿۶﴾

وہ لوگ جنہوں نے اہل کتاب میں سے انکار کیا اور مشرک بھی دوزخ کی آگ میں ہوں گے، اسی میں رہیں گے۔ وہ بدترین مخلوق ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ؕ﴿۷﴾

جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں، وہ بہترین مخلوق ہیں۔ (3636)

جَزَآؤُہُمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ ؕ

ع 1 8 23 ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ ٪﴿۸﴾

ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشگی کے باغ ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ انہی میں رہیں گے۔ اللہ (تعالیٰ) ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

3636۔ ﴿الْبَرِیَّۃِ﴾۔ بَرِیَّۃِ کے معنی خلق ہیں اور یہ یا تو بَرَآءٌ سے مشتق ہے اور ہمزہ متروک ہو گیا ہے اور یا [بَرَیْتَ الْعُوْدَ] سے ہے، میں نے لکڑی کو تراشا۔ گویا وہ بَرِیٌّ یعنی مٹی سے بنائی گئی ہے۔ (غ) ﴿شَرُّ الْبَرِیَّۃِ﴾ اور ﴿خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ﴾ کے تقابل میں یہ سمجھایا ہے کہ انسان جب اپنے قوائے خداداد کو بے محل استعمال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں کرتا تو اس جیسا برا بھی کوئی نہیں، وہ سب مخلوق سے بدتر ہے۔ کیونکہ سب مخلوق قانون کی فرمانبرداری کرتی ہے اور جب وہ اپنے قویٰ کا درست استعمال کرتا ہے تو وہ تمام مخلوقات پر فوقیت لے جاتا ہے۔ اس میں صاف بتا دیا کہ **انسان اشرف المخلوقات** ہے۔

اٰیَاتُھَا 8 (99) سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ مَکِّیَّۃٌ (93) رُکُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا ۝۱ — جب زمین اپنے بھونچال سے ہلائی جائے گی۔

وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَھَا ۝۲ — اور زمین اپنے بوجھ نکال دے گی۔

وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَھَا ۝۳ — اور انسان کہے گا اسے کیا ہوا؟

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا ۝۴ — اس دن وہ اپنی سب خبریں بیان کر دے گی۔

بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَھَا ۝۵ — کیونکہ تیرے رب نے اس کے لیے وحی کی۔(3637)

سورۃ الزلزال

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلزِّلْزَالِ ہے اور اس میں 8 آیتیں ہیں اور اس کے نام میں یہ اشارہ ہے کہ اس روحانی بیداری کے پیدا کرنے کے لیے جس کا پیام رسول اللہ ﷺ لائے ہیں ایک انقلاب عظیم دنیا میں رونما ہوگا۔ یہ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

3637۔ **روحانی بیداری کے لیے انقلاب عظیم کا واقع ہونا:** یہ عظیم الشان انقلاب کا ذکر ہے۔ قیامت کا ذکر ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ ہر بات کا نمونہ آنحضرت ﷺ کی مختصر زندگی میں دے دیا ہے، اس لیے وہ عظیم الشان انقلاب اس دنیا میں بھی آیا اور اسی کی طرف یہاں خصوصیت سے اشارہ ہے جیسا کہ اگلی سورت میں اس کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ چنانچہ ﴿اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَھَا﴾ میں اگر مُردوں کا قبروں سے نکلنا مراد لیا گیا ہے تو خزانوں کا زمین سے نکلنا بھی مراد لیا گیا ہے۔ (ر) خواہ وہ دجال کے زمانہ میں نکلیں یا آگے پیچھے۔ اور فی الحقیقت جو روحانی بیداری انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے وہ بھی ایک انقلاب عظیم سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ انسان جو دنیا میں مستغرق ہو رہا ہے جب تک شدت سے نہ ہلایا جائے اس وقت تک اس میں روحانیت کا احساس پیدا نہیں ہوتا، تب وہ اپنی مخفی طاقتوں کو باہر نکال دیتا ہے اور رازہائے عظیمہ جو اس کے اندر مخفی تھے باہر نکل آتے ہیں اور معلوم ہو جاتا ہے کہ وحی اسی کے فائدہ کے لیے ہوئی تھی۔ ایسا ہی پیغمبروں کے ذریعہ سے جو ایک انقلاب عظیم روحانیت کے لیے پیدا ہوتا ہے اس کے لیے بھی ایک نہ ایک رنگ میں ان تمام چیزوں کا واقع ہونا ضروری ہوتا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ؕ ﴿٦﴾

اس دن لوگ الگ الگ ہو کر نکل پڑیں گے کہ انہیں ان کے عمل دکھائیں جائیں۔(3638)

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ ﴿٧﴾

تو جو کوئی ایک ذرہ کے وزن کے برابر بھلائی کرتا ہے اسے دیکھ لے گا۔

ع 1/8/24 وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ؑ ﴿٨﴾

اور جو کوئی ایک ذرہ وزن کے برابر بدی کرتا ہے اسے دیکھ لے گا۔(3639)

جب تک زمین ہل نہیں جاتی، جب تک اس کے خزانے اور بوجھ باہر نہیں نکل آتے تب تک قوم میں روحانی بیداری پیدا نہیں ہوتی۔ آنحضرت ﷺ کے وقت میں بھی جب تک یہ عظیم الشان زلزلہ جنگوں کی صورت میں نمودار نہیں ہوا اور باطل نے حق کو کچلنے کے لیے اپنا پورا زور نہیں لگا یا اس وقت تک وہ روحانی بیداری ملک عرب میں پیدا نہیں ہوئی، جس کے ساتھ قیامت وسطیٰ قائم ہوئی۔ اور جس دن وہ انقلاب آ گیا اس دن گویا یوں معلوم ہوتا تھا کہ زمین خود اپنی سب خبریں بیان کر رہی ہے۔ جو کچھ سالہا سال پیشتر ایسے وقت میں سنا تھا کہ جب اس کے پورا ہونے کا وہم وگمان بھی نہ تھا وہ پورا ہوتا دیکھ لیا۔ اور ﴿اَوْحٰى لَهَا﴾ میں بتایا کہ اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ وحی الٰہی اہل زمین کے فائدے کے لیے ہی تھی۔

3638۔ قیامت میں تو لوگ اعمال کے نتائج کو دیکھ ہی لیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی یہ نظارہ دکھا کر قیامت پر دلیل قائم کر دی جنہوں نے حق کی خاطر سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنی قربانیوں کا پھل پایا اور اہل باطل نے باطل کو نیست ونابود ہوتے بھی دیکھ لیا۔

3639۔ **نیکی اور بدی کے ثمرات کا اصول غیر متبدل:** آنحضرت ﷺ نے ان آیات کو [اَلْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ] (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب: وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ، حدیث: 4963) کا نام دیا ہے۔ یعنی یہ اصول جو ان میں بیان ہوا ہے وہ جامع اور منفرد ہے۔ اور یہ کسی دوسری آیت کے منافی نہیں۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ اگر کافر نیکی کرے تو وہ ضائع نہیں جاتی اور اگر مسلمان بدی کرے تو اسے معافی حاصل نہیں۔ البتہ جس طرح ظاہری قوانین میں ہے نیکی کا اجر بھی اپنی چھوٹائی بڑائی کے لحاظ سے ہوتا ہے اور بدیوں کی سزا بھی ان کی چھوٹائی بڑائی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ ایک انسان اعلیٰ درجہ کی مقوی غذائیں کھاتا ہے اور اچھے اصول صحت پر قائم ہے وہ یقیناً اپنی زندگی میں اس کے اچھے نتائج کو دیکھتا ہے۔ لیکن اگر وہ ان اصول صحت پر عمل کرنے کے بعد زہر کھا لے تو وہ بھی اپنا اثر دکھا کر رہے گی۔ نیکی اور بدی سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔ مگر قانون صحیح یہی ہے کہ ہر نیکی اپنی جزا رکھتی ہے اور ہر بدی بھی اپنا اثر پیدا کرتی ہے۔ پھر بعض نیکیوں سے بعض بدیوں کے اثر محو ہو جاتے ہیں اور بعض بدیوں سے بعض نیکیوں کے اثر محو ہو جاتے ہیں۔ پس سچی توبہ سے انسان کے

آیَاتُهَا 11 (14) سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (100) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾	گواہ ہیں دوڑنے والے ہانپتے ہوئے۔
فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾	پھر مار کر آگ نکالنے والے۔
فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾	پھر صبح کے وقت حملہ کرنے والے۔
فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾	پھر اس کے ساتھ وہ گرد اٹھاتے ہیں۔
فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾	پھر وہ اس کے ساتھ (دشمن کی) جماعت میں جا گھستے ہیں۔(3640)

گناہ معاف ہونا یا ارتداد سے اس کی بعض نیکیاں ضائع ہو جانا اس اصول کے خلاف نہیں اور اصل کام کرنے والا اصول ہر جگہ یہی ایک ہے۔

سورۃ العادیات

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْعٰدِيٰتِ ہے اور اس میں 11 آیتیں ہیں اور اس نام میں خیل یعنی رسالہ کے گھوڑوں کی طرف اشارہ ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ انقلاب عظیم جس کا ذکر پچھلی سورت میں تھا اس پر گھوڑے بھی گواہ ہوں گے، یعنی اس کا پیش خیمہ لڑائیاں ہوں گی۔ اور یا اگر مراد نفوس عادیات لیے جائیں تو مومنوں کی ترقیات روحانی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی ابتدائی زمانہ کی مکی سورت ہے اور بعض نے اسے مدنی بھی کہا ہے، مگر مضمون کی نوعیت بتاتی ہے کہ یہ مکی ہے۔

3640۔ ﴿عٰدِيٰتِ ضَبْحًا﴾۔ عَدْو دوڑنا اور عٰدِيٰتِ دوڑنے والے، مراد [خَيْلُ الْغَزَاةُ] یعنی غازیوں کے گھوڑے ہیں اور ضَبْحٌ

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾ اور وہ یقیناً اس بات پر خود گواہ ہے۔

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾ اور وہ یقیناً مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔(3641)

گھوڑے کے انفاس کی آواز ہے۔اور [حَفِيْفَ الْعَدْوِ] یعنی دوڑنے کی آواز کو بھی کہا گیا ہے۔(غ)

﴿مُوْرِيٰتِ قَدْحًا﴾۔ وَرَی آگ نکالی، مُوْرِیٰتِ آگ نکالنے والے اور قَدَحٌ پیالے کو کہتے ہیں اور [قَدَحَ بِالزَّنْدِ] کے معنی ہیں زَنْد کے ساتھ مار کر آگ نکالی۔(ل)

﴿مُغِيْرٰتِ﴾۔ غَوْرٌ کے لیے [دیکھو نمبر: 1293] اور غَارَ اور اَغَارَ کے اصل معنی ہیں گہرائی کی طرف گیا۔ پھر یہ معنی ہو گئے کہ کسی امر میں جلدی کی اور [اَغَارَ عَلَى الْقَوْمِ] کے معنی ہیں ان پر رسالے سے حملہ کیا۔ اور اَغَارَ کے معنی ہیں سخت تیز دوڑا۔ اور مُغِيْرَۃٌ جس کی جمع مُغِيْرٰتِ ہے وہ گھوڑے ہیں جو اس طرح دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

﴿نَقْعًا﴾۔ [نَقَعَ الْمَآءُ] پانی جمع ہوا اور نَقْعٌ غبار کو کہا جاتا ہے جو اوپر چڑھ جاتا ہے۔(ل)

﴿وَسَطْنَ﴾۔ [وَسَطَ الشَّيْءَ وَ تَوَسَّطَهٗ] کے معنی [صَارَ فِيْ وَسَطِهٖ] یعنی اس کے درمیان میں ہو گیا۔(ل)

جنگ کا ذکر بطور پیشگوئی:

یہاں جن چیزوں کو بطور گواہ پیش کیا ہے ان سے مراد جمہور کے نزدیک خدا کی راہ میں جنگ کرنے والوں کے گھوڑے ہیں۔ (ر) اور یہ سورت تو ابتدائی زمانہ کی ہے اور یہ سب ذکر بطور پیشگوئی کے ہے۔ اور پچھلی سورت میں جو توجہ دلائی گئی تھی کہ ایک انقلاب عظیم برپا ہو گا قبل اس کے کہ وہ قیامت روحانی مبعوث ہو جس کے لیے رسول اللہ ﷺ ظاہر ہوئے ہیں۔ تو یہاں اس انقلاب کے اس حصہ کی طرف توجہ دلائی ہے جس کے ذریعہ سے باطل کا نابود ہونا تھا، یعنی لڑائیاں۔ اور اس لیے غازیوں کے گھوڑے کو جن سے باطل کا قلع قمع ہونا تھا بطور شہادت پیش کیا اور فی الحقیقت یہ ایک پیشگوئی ہے۔ اور رسالوں کا ذکر اس لیے کیا کہ جنگ کی کامیابی کا انحصار رسالے پر ہے۔ آج اس قدر علم جنگ میں ترقی کے باوجود بھی عمدہ زبردست رسالہ ہی کامیاب جنگ کا پیش خیمہ ہے۔ امور ملکی میں مسلمانوں کو ان باتوں سے خاص فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اور انسانوں کی جماعتیں بھی ﴿عٰدِيٰتِ﴾ وغیرہ سے مراد ہو سکتی ہیں۔ یعنی جو اپنے کمالات کے حاصل کرنے کے لیے سرپٹ دوڑتے ہیں اور پھر اپنے افکار کے ساتھ انوار معارف کی آگ نکالتے ہیں اور صبح کے وقت حرص و ہوا کی فوجوں پر حملہ کرتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ وہ غبار اٹھاتے ہیں جو اوپر چڑھ جاتا ہے، جو ان کے اعمال کے صعود کی طرف اشارہ ہے۔ اور پھر مقربین کی جماعت میں جا داخل ہوتے ہیں اور یہ سب مومنوں کی ترقیات روحانی کی طرف اشارہ ہے۔

3641۔ ﴿كَنُوْدٌ﴾۔ ناشکرا انسان کو کہتے ہیں اور [اَرْضٌ كَنُوْدٌ] وہ زمین ہے جس میں کچھ نہیں اگتا۔(غ)

اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ تو کیا وہ جانتا نہیں جب وہ جو قبروں میں ہیں باہر نکالے جائیں گے؟

وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ﴿ۙ۱۰﴾ اور جو سینوں میں ہے وہ ظاہر کیا جائے گا؟[3642]

ع 1/11/25 اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿٪۱۱﴾ یقیناً ان کا رب اس دن ان سے باخبر ہوگا۔

جواب قسم یہ ہے کہ انسان ناشکرگزار ہے یعنی جو قویٰ اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھے ہیں ان کی تربیت نہیں کرتا۔ چونکہ اصل غرض اس مقابلہ کی یہی تھی کہ حق قائم ہوجائے اور باطل نابود ہوجائے، اس لیے بتایا کہ یہ جولوگ مخالفت حق کرنے والے ہیں آخر کار ان پر ثابت ہوجائے گا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ اور ﴿اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ﴾ میں بتایا کہ انسان کی اپنی فطرت بھی اس بات پر گواہی دیتی ہے، مگر وہ مال دنیا کی محبت میں اس قدر بخیل ہے کہ اپنے اعلیٰ قویٰ کی پروا نہیں کرتا۔

3642۔ ﴿حُصِّلَ﴾۔ تَحۡصِیۡلٌ چھلکے سے مغز کا نکالنا جیسے سونے کی کان سے سونے کا نکالنا۔ یعنی جو دلوں میں ہے وہ ظاہر کیا جائے گا۔ (غ)

﴿بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ﴾ پر [دیکھو نمبر: 3553] اور یہاں ﴿حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ﴾ لا کر اسی معنی کی تائید کی ہے کہ مراد اس سے رازوں کا ظاہر ہونا ہے اور وہ قیامت میں بھی ہوگا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے جو قیامت روحانی قائم ہوئی اس میں بھی اسی کا اظہار ہوا جو سینوں کے اندر مخفی تھا، یعنی جو کچھ سینوں کے اندر مضمر تھا وہ ظہور میں آ گیا۔

اٰیَاتُهَا 11 (101) سُوۡرَةُ الۡقَارِعَةِ مَکِّیَّةٌ (30) رُکُوۡعَاتُهَا 1

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اَلۡقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾	سخت مصیبت۔
مَا الۡقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾	کیا ہی بڑی مصیبت ہے۔
وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾	اور تجھے کیا خبر ہے کیسی بڑی سخت مصیبت ہے۔(3643)
یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾	جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔
وَ تَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ﴿۵﴾	اور پہاڑ دُھنی ہوئی اُون کی طرح ہوں گے۔(3644)

سورۃ القارعۃ

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلۡقَارِعَةُ ہے اور اس میں 11 آیتیں ہیں۔ پچھلی سورت کا مضمون یہاں بھی جاری رکھا ہے، اور یہ ابتدائی مکی زمانہ کی سورت ہے۔

3643۔ ﴿قَارِعَةُ﴾ کے لیے [دیکھو نمبر: 1625] مصیبت، نبی کریم ﷺ کا سریہ، قیامت۔ تینوں پر یہ لفظ بولا گیا ہے اور یہاں تینوں مفہوموں پر حاوی ہے۔ پچھلی سورت میں جنگوں کے متعلق صراحت سے پیشگوئی تھی، اس لیے یہاں سریہ مراد ہونا کوئی بعید امر نہیں اور سخت مصیبت اور قیامت کے معنی ظاہر ہیں۔

3644۔ ﴿فَرَاش﴾۔ فَرَاشَةٌ واحد ہے اور پروانے کو کہتے ہیں۔ اور لوگوں کو فَرَاش مَبۡثُوۡثِ سے مثال دینے میں اشارہ اس دن کے ہول واضطراب کی طرف ہے یا ان کی کثرت اور پراگندگی اور ان کے ضعف اور ذلت اور ان کے آنے اور جانے کی وجہ سے انہیں پروانوں سے تشبیہ دی ہے۔ بہر حال یہ تشبیہ اس دنیا میں بھی صحیح ثابت ہوئی اور قیامت کا نظارہ تو اس سے فوق الفوق ہوگا۔
اور پہاڑوں کا دھنی ہوئی اون کی طرح ہونا ان کے اڑائے جانے کی طرح ہے۔ [دیکھو نمبر: 1623]

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۶﴾ — سو جس کی نیکیاں بھاری ہوں گی۔

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾ — وہ خوشی کی زندگی میں ہوگا۔

وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۸﴾ — اور جس کی نیکیاں ہلکی ہوں گی۔

فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ﴿۹﴾ — تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے۔(3645)

وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ؕ﴿۱۰﴾ — اور تجھے کیا خبر ہے وہ کیا ہے؟

ع 1 11 26 نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾ع — وہ جلتی ہوئی آگ ہے۔

3645۔ ﴿هَاوِيَةٌ﴾۔ مادہ ھَوٰی ہے [دیکھو نمبر: 964] اور ھَوَآءٌ معروف ہے اور ﴿وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ﴾ [ابراھیم: 43:14] ”اور ان کے دل خالی ہوں گے۔“ میں مراد ہے کہ عقل سمجھ کچھ باقی نہ رہے گی اور ﴿هَاوِيَةٌ﴾ کو دوزخ کا نام قرار دیا گیا ہے۔ مگر ابن بری کا قول ہے کہ یہ اسم علم نہیں بلکہ ہر ایک گڑھا ہے جس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہ ہو اور ﴿اُمُّهٗ هَاوِيَةٌ﴾ کے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ اور بعض نے اسے دعا کے طور پر قرار دیا ہے، جیسے [ھَوَتْ اُمُّهٗ] جس کے معنی ہیں اس کی ماں ہلاک ہو۔ اور بعض نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ دوزخ اسے اس طرح اپنی طرف پناہ دے گی جس طرح ماں بیٹے کو پناہ دیتی ہے۔ (ل)

دوزخ علاج کے طور پر ہے:

موازین کے بھاری اور ہلکا ہونے پر [دیکھو نمبر: 1050] اور یہ لفظ قیامت کبریٰ پر بھی صادق آتا ہے اور روحانی قیامت پر بھی۔ کیونکہ نیکی کرنے والا انسان یہیں خوشی کی زندگی پالیتا ہے اور جس کی نیکی کی قوت مردہ رہتی ہے وہ یہیں ہاویہ میں ہوتا ہے۔ اور یہاں دوزخ کو گنہگار کی اُمّ یا ماں قرار دیا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ جس طرح ماں بچے کی تربیت کرتی ہے اسی طرح گنہگار کی تربیت کے لیے ہاویہ کی ضرورت ہے۔ پس یہ محض سزا نہیں بلکہ بطور علاج ہے۔ گویا دوزخ کا اصل منشا ان امراض روحانی کا علاج ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے آپ پیدا کر لیتا ہے۔ انسان آپ اپنے لیے آگ بناتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا فضل بے پایاں ایسا ہے کہ اس آگ کو بھی بطور ایک علاج کے بنا دیتا ہے۔

اٰیَاتُھَا 8 (102) سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ (16) رُكُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾	کثرت مال کی خواہش نے تمہیں غافل کر رکھا ہے۔
حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾	یہاں تک کہ تم قبروں کو دیکھتے ہو۔(3646)
كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾	نہیں تم جان لو گے۔
ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۴﴾	نہیں نہیں تم جان لو گے۔

سورۃ التکاثر

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلتَّكَاثُرِ ہے اور اس میں 8 آیتیں ہیں۔ یہاں بتایا ہے کہ کثرت مال و دولت کی خواہش اور تڑپ انسان کو اصل مقصد زندگی سے غافل رکھتی ہے ورنہ وہ انہاک حرص و ہوا کو دوزخ کے رنگ میں یہاں بھی دیکھ سکتا ہے۔ گویا وہ انقلاب روحانی جس کو رسول اللہ ﷺ پیدا کرنے آئے تھے اس کی طرف اگر لوگ متوجہ نہیں ہوتے تو محض اس لیے کہ کثرت مال کی محبت نے انہیں غافل کر رکھا ہے۔ یہ بھی ابتدائی مکی سورتوں میں سے ایک ہے۔

3646۔ ﴿تَكَاثُرُ﴾ [دیکھو نمبر: 3300] کثرت مال و عزت میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش۔ یعنی کثرت مال و اولاد وجاہ وغیرہ کی خواہش جو انسان کی حیوانی زندگی سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں، اسے حقیقی مقصد زندگی سے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے غافل کر رکھتی ہیں۔ جب پچھلی سورتوں میں اس انقلاب روحانی پر زور دیا جسے رسول اللہ ﷺ دنیا میں پیدا کرنے آئے تھے تو اب یہ بتایا کہ وہ کون سی چیز ہے جو لوگوں کی توجہ کو اخلاقی اور روحانی پہلو سے جو فی الحقیقت ان کی اصل خوشی کا موجب ہے ہٹائے رکھتی ہے۔ اور ﴿زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ سے [دیکھو نمبر: 3545] موت مراد ہے۔ یعنی اسی طرح اشغال دنیا میں منہمک تم مر جاتے ہو۔ اسی لیے آگے فرمایا كَلَّا یعنی تَكَاثُرُ مال دنیا سے تمہاری فلاح نہیں۔ ﴿سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ اور اس بات کا تم کو علم ہو جائے گا۔ اور ایک علم اس دنیا میں ہو جاتا ہے اور ایک موت کے بعد۔ اس لیے دو دفعہ ﴿سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ فرمایا۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥	نہیں اگر تم علم یقین کے ساتھ جانتے،
لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦	تو تم ضرور دوزخ کو دیکھ لیتے۔
ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝٧	پھر تم اسے ضرور یقین کی آنکھ کے ساتھ دیکھ لو گے۔
ع 1/8/27 ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝٨	پھر تم سے ضرور اس دن کی نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔(3647)

3647۔ان آیات میں یقین کے دو مراتب کا ذکر علم الیقین اور عین الیقین کے الفاظ میں کیا ہے۔اور تیسرے مرتبہ کا ذکر ﴿لَتُسْـَٔلُنَّ﴾ میں کیا ہے اور دوسری جگہ حق الیقین کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے۔[الحاقة: 51:69] اور یہ تین مراتب یقین اس طرح پر ہیں کہ پہلا مرتبہ یقین کا دلائل علمی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے اسے علم الیقین کہا ہے۔اور دوسرا مرتبہ مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے جسے عین الیقین کہا ہے اور تیسرا مرتبہ اس چیز کے اندر داخل ہونے یا ان حالات کے اپنے اوپر وارد ہونے سے حاصل ہوتا ہے، اسے حق الیقین کہا ہے۔اور یہاں اس کا ذکر ﴿لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ میں کیا ہے۔کیونکہ نعمتوں کے متعلق سوال گویا ان نعمتوں کی ناشکری کا عملی طور پر یا برنگ نتیجہ انسان پر وارد ہونا ہے۔ان تین مراتب یقین کی مثال یہ ہے کہ مثلاً دھوئیں کو دیکھ کر بذریعہ علم انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہاں آگ جل رہی ہے۔پھر اگر اور آگے چلا جائے تو آگ کو خود اپنی آنکھ سے دیکھ لے گا یہ عین الیقین ہے۔پھر خود اس کے اندر داخل ہو جائے تو وہ حالت اس پر وارد ہو کر بتا دیتی ہے کہ یہ آگ ہے، یہ حق الیقین ہے۔تو یہاں کفار کو بتایا ہے کہ اگر تم علم الیقین سے کام لیتے یعنی دلائل پر غور کرتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ کثرت مال و دولت کے پیچھے لگنا اور اصل مقصد زندگی کو بھلا دینا ایک دوزخ ہے اور یہ جو فرمایا کہ تم اسے عین الیقین سے دیکھ لو گے تو مطلب یہ ہے کہ ایسے واقعات تمہارے سامنے پیش آجائیں گے کہ جس طرح انسان آنکھ سے ایک چیز کو دیکھ لیتا ہے اسی طرح تم دوزخ کو دیکھ لو گے اور پھر بعد موت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کے نتائج کھلے طور پر تم پر وارد ہوں گے اور تم حق الیقین سے دوزخ دیکھ لو گے۔

اٰیَاتُھَا 3 (103) سُوْرَۃُ الْعَصْرِ مَکِّیَّۃٌ (13) رُکُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَ الْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾
زمانہ گواہ ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾
کہ انسان نقصان میں ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۬ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ ع 1/3/28
سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔(3648)

سورۃ العصر

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْعَصْرِ ہے اور اس میں 3 آیتیں ہیں۔ اور اس کے نام میں مرور ایام کی طرف اشارہ ہے کہ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے اور ہر انسان جو اس وقت کو اچھے مصرف میں نہیں لاتا وہ نقصان میں ہے۔ اور اچھا مصرف یا عقائد کے رنگ میں کسی بات پر قائم ہونا ہے یعنی ایمان اور یا اعمال کے رنگ میں یعنی اعمال صالحہ کا بجالانا۔ مگر ہر انسان جو انہی دونوں پہلوؤں سے دوسروں کی بھلائی نہیں کرتا وہ بھی نقصان میں ہے۔ یہ سورت مکی ہے اور+ ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے۔ اور پچھلی سورت سے تعلق یہ ہے کہ وہاں بتایا تھا کہ مال دنیا کی کثرت کوئی نفع کی چیز نہیں بلکہ انسان کو اصل مقصد زندگی سے غافل رکھنے والی شے ہے اور یہاں وہ اصل مقصد زندگی بتایا۔

3648۔ ﴿عَصْر﴾ کے معنی دہر یعنی زمانہ ہیں اور رات کو اور دن کو بھی ﴿عَصْرِ﴾ کہا جاتا ہے۔ اور صبح اور پچھلے پہر کی نمازوں کو حدیث میں عَصْرَیْنِ کہا ہے۔ اور یہاں بعض کے نزدیک مراد مطلق وقت ہے۔ اور بعض کے نزدیک نماز عصر کا وقت اور بعض کے نزدیک کوئی ساعت۔(ل) اور دَھْرِ زمانہ کو بحیثیت مجموعی کہا جاتا ہے اور عَصْرِ اس کے مرور اور گزرنے کے لحاظ سے۔

وقت کی قیمت:

جب پچھلی سورت میں انسان کی طلب کثرت مال دنیا کا ذکر کیا اور اسے ہی انسان اپنے نفع کی چیز سمجھتا ہے تو یہاں بتایا کہ فی الحقیقت ایسا انسان گھاٹے میں ہے۔ اور وہ قوائے خداداد کو ضائع کر رہا ہے۔ اس پر عصر یا گزرتے وقت کی شہادت کو پیش کیا۔ گویا ہر لمحہ جو گزر رہا ہے اگر وہ صحیح مصرف میں نہیں آیا تو وہ برباد ہو گیا اور انسان کے ہاتھ سے ایک قیمتی چیز یونہی چلی گئی۔ وقت کی قیمت کو لوگ بہت کم پہچانتے ہیں، حالانکہ یہی چیز سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اسے شہادت میں پیش کر کے اس کی عظمت اور قیمت کی طرف توجہ دلائی ہے اور زمانہ کی شہادت بحیثیت مجموعی یہ بتاتی ہے کہ اس زندگی سے فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہوئے ہیں جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ مال دنیا کا جمع کر لینا بالآخر انسان کو کچھ نفع نہیں پہنچاتا۔ اور عصر سے وہ وقت مراد لے کر جو غروب آفتاب سے پہلے ہے، مطلب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔ اس لیے کہ وہ وقت اس بات پر گواہ ہوتا ہے کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے اور انسان کے لیے مہلت اور موقعہ بہت کم ہے۔ وہ اپنے وقت کو ضائع نہ کرے اور یا مراد اس سے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ ہے کہ اس چھوٹے سے زمانہ میں تمام زمانوں کا خلاصہ آ گیا اور واقعات کے رنگ میں اللہ تعالیٰ نے اس بیس سال کے عرصہ میں وہ سب کچھ دکھا دیا جو تمام زمانوں میں دکھاتا رہا۔ یعنی حق کی کامیابی اور ابطال حق کی تمام کوششوں کا ضائع جانا اور دنیا میں ایک نمونہ قیامت کا قائم ہو جانا کہ جس میں اچھے اور برے الگ الگ ہو گئے اور یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ نیکی اپنا اجر رکھتی ہے اور بدی دنیا میں قائم نہیں رہ سکتی۔

ہر مسلمان کے اولین چار فرض:

یہاں جن لوگوں کو حالت نقصان سے مستثنیٰ کیا ہے ان میں چار صفات کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے۔ اول ایمان جس میں تمام عقائد صحیحہ آ جاتے ہیں۔ دوسرے اعمال صالحہ جس سے مراد ہر قسم کی صلاحیت والے اعمال ہیں۔ تیسرے ایک دوسرے کو حق کا پہنچانا۔ جس میں یہ بتایا کہ انسان کا صرف خود حق پر قائم ہو جانا بھی کافی نہیں جب تک کہ وہ حق دوسروں کو نہ پہنچائے۔ اور چوتھے صبر کی ایک دوسرے کو وصیت کرنا۔ اور صبر یہ ہے کہ تمام مشکلات کا سامنا کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر انسان قائم ہو جائے۔ گویا ایک حق ہے اور ایک حق پر قائم ہونا ہے۔ حق ایمان کے مقابل پر ہے اور صبر اعمال صالحہ کے مقابل پر۔ انسان خود صحیح عقیدہ پر قائم ہو، دوسروں کو صحیح عقیدہ پر قائم کرنے کی کوشش کرے۔ خود اعمال صالحہ پر قائم ہو، دوسروں کو اعمال صالحہ پر قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اور یہ ہر مسلمان کا فرض قرار دے کر بتا دیا کہ ہر مسلمان جب تک حق کو دوسروں تک نہیں پہنچاتا بلکہ اس حق پر دوسروں کو قائم کرنے کے لیے پورا زور نہیں لگاتا اس وقت تک وہ بھی نقصان میں ہے۔ اس چھوٹی سی سورت میں کس قدر جامع تعلیم ہے اور یہی شہادت ہے اس بات پر کہ قرآن کریم کی ہر سورت بجائے خود ایک مکمل کتاب ہے خواہ کتنی بھی چھوٹی سورت کیوں نہ ہو۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اگر اور کوئی سورت نازل نہ ہوتی تو یہ سورت ہی لوگوں کے لیے کافی ہوتی۔

اٰيَاتُهَا 9 (104) سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ (32) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾	تباہی ہے ہر عیب لگانے والے طعن کرنے والے کے لیے۔
الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾	جو مال کو جمع کرتا ہے اور اسے شمار میں لاتا ہے۔
يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾	وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ رکھے گا۔(3649)
كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾	ہر گز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۭ﴿۵﴾	اور تجھے کیا خبر ہے حطمہ کیا ہے؟

سورۃ الہمزۃ

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْهُمَزَةِ ہے اور اس میں 9 آیتیں ہیں۔ پچھلی سورت کے مقابل پر ان لوگوں کی حالت دکھائی ہے جو مال دنیا سے محبت کرتے ہیں اور بجائے اپنی اصلاح کرنے کے دوسروں کی عیب شماری میں لگے رہتے ہیں۔ یہ سورت بھی مکی ہے اور ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

3649۔ ﴿هُمَزَةٍ﴾ اور ﴿لُمَزَةٍ﴾ پر [دیکھو نمبر: 3124] اور ﴿عَدَّدَ﴾ کے لیے [دیکھو نمبر: 1297] اور [نمبر: 224] اور یہاں فراء نے معنی لیے ہیں کہ مال کو عُدَّةٌ بناتا ہے یعنی مصائب اور حوادث دہر سے بچنے کا سامان۔ (ل) اور جو معنی ترجمہ میں اختیار کیے گئے ہیں ان میں گننا اور عُدَّةٌ بنانا دونوں مفہوم آجاتے ہیں۔ اور اصل مطلب یہاں عُدَّةٌ بنانا ہی معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جن مصائب عظمیٰ کی خبر دی جاتی ہے اور جس انقلاب عظیم کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے ایک مال سے محبت کرنے والا سمجھتا ہے کہ وہ مال اس کو ان مصائب سے بچا دے گا۔ اور ﴿اَخْلَدَهٗ﴾ میں یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ مال اسے ہمیشہ کے لیے باقی رکھے گا اور یہ بھی کہ مال کے جمع کر لینے سے ہی وہ خُلد کو بھی حاصل کرلے گا۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾	اللہ کی جلائی ہوئی آگ۔
الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۷﴾	جو دلوں پر چڑھتی ہے۔
اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾	وہ ان پر بند کر دی جائے گی۔
ع 1 9 29 فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾	لمبے لمبے ستونوں میں۔ (3650)

3650۔ ﴿حُطَمَةِ﴾ جو حَطْمٌ سے ماخوذ ہے یعنی توڑنا، دوزخ کا نام ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز کو توڑ دے گی اور بعض کے نزدیک ابواب جہنم سے ایک باب ہے۔ (ل)

دوزخ کی آگ انسان کے دل سے پہلے اٹھتی ہے:

یہاں حطمہ اس آگ کو کہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جلائی ہوئی ہے اور دلوں پر اطلاع پالیتی ہے اور دلوں پر اطلاع پالینے سے مراد یہی ہے کہ اس کا اصل منبع دل ہے۔ کیونکہ دل سے ہی اعمال کا تعلق بلحاظ نیت وغیرہ ہے اور دل انسان کے لیے مرکز کے طور پر ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے اگر وہ حالت اصلاح میں ہو تو سارا جسم حالت اصلاح میں ہوتا ہے اور اس میں فساد ہو تو سارے جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ پس دل سے ہی یہ آگ پہلے بھڑکتی ہے اور پھر لمبے ستونوں میں چاروں طرف سے انسان کو گھیر لیتی ہے اور مال سے جو شخص محبت کو بڑھاتا ہے اس کا دل یہاں بھی اس آگ کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اور مطلب یہی بتانا ہے کہ مال دنیا کی محبت آخر کار انسان کو کہاں پہنچاتی ہے اور دوسروں کی عیب شماری بھی لازماً دل کے اندر ایک آگ بھڑکاتی ہے۔

آیاتھا 5 (105) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ (19) رکوعاتھا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ① — کیا تو نے غور نہیں کیا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟(3651)

سورۃ الفیل

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْفِيْلِ ہے اور اس میں 5 آیتیں ہیں اور اس نام میں اشارہ ﴿اَصْحٰبِ الْفِيْلِ﴾ کے واقعہ کی طرف ہے جنہوں نے خانہ کعبہ کو تباہ کرنا چاہا مگر خود تباہ ہو گئے۔ اور اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حق کو جو محمد رسول اللہ ﷺ لائے ہیں دنیا کی تمام طاقتوں کے مقابلہ میں بچائے گا اور صلیب اور توحید کی جنگ میں توحید ہی غالب آئے گی۔ یہ سورت بھی بالاتفاق مکی ہے۔

3651۔ **واقعہ اصحاب فیل آنحضرت ﷺ کے لیے بطور ارہاص تھا:** فِيْلٌ، ہاتھی۔ اصحاف فیل کا واقعہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے۔ ابرہہ جو یمن کا عیسائی وائسرائے شاہ حبش کی طرف سے تھا اس نے صنعا میں ایک عظیم الشان گرجا بنوایا جس کی غرض یہ تھی کہ اہل عرب بجائے خانہ کعبہ میں جمع ہونے کے اس گرجا میں جمع ہوا کریں اور اس طرح انہیں آہستہ آہستہ عیسائی بنالیا جائے۔ مگر چونکہ اہل عرب نے ابرہہ کے اس گرجا کی کوئی پروا نہیں کی تو آخر اس نے خانہ کعبہ کو گرا دینے کے لیے مکہ معظّمہ پر چڑھائی کی اور یہ واقعہ بالاتفاق مؤرخین اسی سال کا ہے جس سال میں حضرت نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے۔ اور بعض کے نزدیک آپ کی پیدائش کا دن وہی تھا جس دن ابرہہ کے لشکر پر تباہی آئی۔ اس سال کا نام تاریخ عرب میں عام الفیل ہو گیا اور اس لشکر کا نام اصحاب الفیل اور یہ اس ہاتھی کی وجہ سے ہوا جو لشکر کے ساتھ تھا اور جس کا نام محمود تھا۔ اور بعض کے نزدیک کئی ہاتھی تھے اور ابرہہ کا ہاتھی محمود نامی تھا۔ جب یہ لوگ مکہ کے قریب پہنچے تو عبدالمطلب نے مکہ کو اہالی مکہ سے خالی کرا دیا اور سب لوگ قریب کی پہاڑیوں چلے گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابرہہ نے عبدالمطلب کے کچھ اونٹ پکڑ لیے تھے، تو جب عبدالمطلب نے ابرہہ سے واپس طلب کیے اور ابرہہ نے تعجب کیا کہ تم خانہ کعبہ کے متعلق کوئی درخواست نہیں کرتے جسے میں تباہ کرنا چاہتا ہوں۔ تو عبدالمطلب نے جواب دیا: [أَنَا رَبُّ الْإِبِلِ وَالْبَيْتِ رَبٌّ يَحْفِظُهُ] (روح البیان، باب سورة الفيل، جلد10، صفحہ 397) میں اونٹوں کا مالک ہوں اور

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝٢	کیاان کی تدبیر کو برباد نہیں کیا؟
وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝٣	اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرند بھیجے۔
تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝٤	جواُن پر سخت پتھر مارتے تھے۔
ع 1 5 30 فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝٥	سوانہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔(3652)

خانہ کعبہ کا رب بھی ہے جواس کی حفاظت کرلے گا۔اور جب مکہ کوخالی کیاتواس وقت کعبہ کے دروازہ کی کنڈی کو پکڑ کر کہا:[اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْمَرْءُ يَمْنَعُ رِحْلِهِ فَامْنَعَ رِحَالِكَ لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبَهُمْ وَمَحَا لِهِمْ غَدَوْا مَحَالِكَ](مصنف عبدالرزاق، جلد 5، صفحہ 313) کوئی فکر کی بات نہیں، انسان اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہےسوتو اپنے گھر کی حفاظت کر۔ان کی صلیب اور ان کی طاقت تیری طاقت پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔چنانچہ قبل اس کے ابرہہ خانہ کعبہ تک پہنچ سکےاس کے لشکر میں تباہی پھیل گئی اور وہ خود بھی بیمار ہوگیااور سخت ناکامی کی حالت میں یمن میں واپس پہنچا جہاں جا کر وہ مر گیا۔

اس واقعہ کا آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے سال پیش آنا آپ کی نبوت کے لیے بطور ارہاص تھااور اللہ تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ خانہ کعبہ کو دنیا کی کوئی طاقت برباد نہیں کرسکتی۔بلکہ جو اسے برباد کرنے کی ٹھانے گا وہ خود برباد ہوجائے گا۔

3652۔﴿اَبَابِيْلَ﴾۔اِبِّيْلٌ کی جمع ہے اور ﴿اَبَابِيْلَ﴾ کے معنی ہیں مُتَفَرِّقَةٌ متفرق اونٹوں کی قطاروں کی طرح۔(غ)ابن سیدہ کا قول ہے کہ اِبِّيْلٌ اور اِبَّوْلٌ اور اِبَّالَةٌ پرندوں یا گھوڑوں یا اونٹوں کے ایک جھنڈ کو کہا جاتا ہے اور ﴿اَبَابِيْلَ﴾ کا استعمال کثرت کے معنی میں آیا ہے۔(ل)

اصحاب فیل کس طرح تباہ ہوئے:

مفسرین کے اقوال اس لشکر کی تباہی کے بارے میں عموماً یہی ہیں کہ پرند اس لشکر پر آئے اور ہر ایک کی چونچ میں ایک سنگریزہ تھا اور دو دو سنگریزے دونوں پنجوں میں تھے۔اور وہ سنگریزہ جس شخص پر گرتا تھا اسے ہلاک کر دیتا تھا۔لیکن عکرمہ کا قول ہے کہ جس پر سنگریزہ گرتا تھا اسے چیچک نکل آتی تھی[وَعَنْ عِكْرَمَةِ أَنَّ مِنْ أَصَابَهُ الْحِجْرَ جَدْرَتُهُ وَهُوَ أَوَّلُ جَدْرِيْ ظَهْرُ](تفسیر الألوسی، باب سورة الفیل، جلد 23، صفحہ 134)(ر)ایسی ہی روایت ابن کثیر نے یعقوب سے بیان کی ہے اور چونکہ صحیح حدیث اس بارہ میں کوئی نہیں کہ اصحاب فیل کی تباہی کا اصل موجب کیا ہوا تھا اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ چیچک کی وبا لشکر میں پھوٹ پڑی اور آخر ابرہہ خود بھی اسی مرض کا شکار ہوا، جس کی وجہ سے لشکر بھاگ گیا۔اور یہ مسلّم ہے کہ ابرہہ تمام پھنسیوں سے بھرا ہوا یمن میں جا مرا۔اور پرندوں کے بھیجنے میں اشارہ یہ ہے کہ جب لاشیں چھوڑ کر لشکر بھاگ گیا تو پرندوں نے انہیں نوچ نوچ کر پتھروں پر مارا اور کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔

اٰیَاتُھَا 4 (106) سُوۡرَۃُ قُرَیۡشٍ مَکِّیَّۃٌ (29) رُکُوۡعَاتُھَا 1

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ﴿۱﴾	قریش کی حفاظت کی وجہ سے۔
اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ﴿۲﴾	ان کے جاڑے اور گرمی کے سفروں میں حفاظت کی وجہ سے۔ (3653)

سورۃ القریش

تمہید سورت:

اس سورت کا نام قُرَیۡشٍ ہے اور اس میں 4 آیتیں ہیں۔ اور اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ قریش جن پر ہم نے اس قدر احسان کیا انہیں چاہئے تھا کہ خدائے واحد کی جو اس گھر کا رب ہے عبادت کرتے، کیونکہ خدا نے ہی ان کو تجارت کا سامان دے کر بھوک سے بچایا اور کعبہ کو حرم بنا کر دشمنوں کے خوف سے محفوظ کر دیا۔ یہ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

3653۔ ﴿اِیۡلٰفِ﴾۔ اَلۡفٌ کے معنی ہزار ہیں۔ اِلۡفٌ اجتماع، اَلَّفَ کے معنی ہیں ایک ہزار کامل کر دیا۔ [اَلَفَ الشَّیْءُ] کے معنی ہیں لَزِمَهٗ یعنی اس سے پیوستہ ہوا اور [اَلۡفَهٗ اِیَّاهُ] اسے اس کے ساتھ لازم کر دیا۔ اسی سے ﴿اِیۡلٰفِ﴾ مصدر ہے [اَلَفْتُ فُلَانًا الشَّیْءَ اِذَا اَلْزَمْتُهٗ اِیَّاهُ] اور یہاں معنی ہیں [لِتُؤْلَفَ قُرَیْشِ الرِّحْلَتَیْنِ فَتَتُصِّلًا وَلَا تَنْقَطِعًا] یعنی تا کہ قریش دو سفروں کو اکٹھا رکھیں، پس وہ دونوں ملے رہیں اور الگ الگ نہ ہوں۔ گویا مطلب ہے دونوں سفروں کا جمع رکھنا۔ ایک سے فارغ ہوں تو دوسرے میں لگ جائیں۔ اور ایک قول ہے کہ اِیۡلَافٌ، یُؤۡلِفُوۡنَ سے ہے جس کے معنی ہیں تیار کرتے ہیں اور سامان بناتے ہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ اِیۡلَافٌ سے مراد عہد ہے اور اول شخص جس نے باہر کے بادشاہوں سے عہد کیا ہاشم تھا اور یہ عہد قریش سے لیا گیا تھا۔ اور اَلَّفَ کے معنی ہیں دو چیزوں کو تفرقہ کے بعد جمع کیا۔ (ل) ﴿فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ﴾ [آل عمران: 103:3] ''پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔''

﴿قُرَیۡشٍ﴾۔ قَرۡش کے معنی جمع کرنا ہیں۔ اور قریش ایک دریائی جانور ہے جو سب جانوروں کو کھا جاتا ہے۔ اور ہمارے رسول اللہ ﷺ کے قبیلہ کا نام قریش ہے جن کا باپ نضر بن کنانہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک بوجہ ان کے خوف اور عظمت کے یہ نام دابۃ البحر سے مشتق ہے اور بعض کے نزدیک ان کے ارد گرد سے مکہ میں جمع ہو جانے کے لحاظ سے۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝٣ پس چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔

الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝٤ جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے امن دیا۔ (3654)

ع 1 4 31

﴿رِحْلَةَ﴾۔ رَحْلٌ اونٹ کا پالان ہے۔ پھر کبھی اس سے اونٹ مراد لیا جاتا ہے اور کبھی وہ چیز جس پر گھر میں بیٹھا جاتا ہے اور جمع رِحَالٌ ہے اور ﴿رِحْلَةَ﴾ کے معنی اِرْتِحَالٌ یا کوچ کرنا ہیں۔(غ)

﴿شِتَآءِ﴾ سردی اور ﴿صَيْفٌ﴾ گرمی۔

قریش پر احسان:

عام طور پر اس سورت کا تعلق پچھلی سورت سے مان کر یہ مطلب لیا گیا ہے کہ ہم نے اصحاب فیل کو تباہ کر دیا تا کہ قریش اپنی تجارتوں میں لگے رہیں اور انہیں نقصان نہ پہنچے۔ اور دو سفروں کا ذکر کیا اس لیے کہ گرمیوں کے موسم میں ملک شام کی طرف قافلہ جاتا تھا اور سردیوں میں ملک یمن کی طرف۔ کیونکہ شام کا ملک ٹھنڈا تھا اور یمن گرم اور یہ تجارت قریش کی عزت اور شرف کا موجب تھی۔ اس لیے اگلی آیات میں فرمایا کہ قریش کو چاہئے کہ جب خدا نے ان کی اس قدر حفاظت کی اور انہیں اس قدر سامانوں سے متمتع فرمایا تو وہ بھی خدائے واحد کی پرستش کریں۔ جس کی طرف محمد رسول اللہ ﷺ انہیں بلا رہے ہیں، مگر بجائے اس کے یہ مخالفت کر رہے ہیں۔ اور ابن جریر کہتے ہیں کہ چونکہ ہر سورت بجائے خود کامل ہے اس لیے ﴿لِاِيْلٰفِ﴾ میں ل تعجب کے لیے ہے۔ یعنی کیا قریش کے لیے ان تجارت کے سامانوں کو اکٹھا رکھنے پر تعجب کرتے ہیں۔ لیکن دونوں سورتوں کا باہم اس قدر تعلق ماننے میں کسی ایک کا ناقص ہونا لازم نہیں ہوتا۔ دونوں بجائے خود بلحاظ مضمون مکمل ہیں۔ لیکن ان کا باہم تعلق شدید ہے اور یہ تعلق رکھ کر بتا دیا ہے کہ سورتوں میں باہم کس قدر ربط ہے۔

3654۔ بھوک میں کھانا بذریعہ تجارت کے ملتا تھا جو وہ باامن کرتے تھے۔ اس لیے کہ بوجہ کعبہ کی خدمت کے کوئی انہیں چھیڑتا نہ تھا۔ اور یوں بھی بوجہ حج کے مکہ عرب کی تجارت کا مرکز ہو گیا تھا۔ اور ﴿اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ میں بتایا کہ سارا عرب دن رات جنگ میں مصروف ہے مگر یہ حرم کے اندر ہر قسم کے خوف سے محفوظ ہیں، کوئی انہیں چھیڑ نہیں سکتا۔ اور جو خانہ کعبہ پر چڑھائی کرے خدا تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا۔

اٰیَاتُھَا 7 (107) سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ (17) رُکُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ — کیا تونے اس شخص کی حالت پر غور کیا جو دین کو جھٹلاتا ہے۔

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲ — یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ — اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔(3655)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ — پس ان نمازیوں کے لیے تباہی ہے۔

سورة الماعون

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْمَاعُوْنِ ہے اوراس میں 7 آیتیں ہیں۔ مَاعُوْنِ کے معنی زکوٰۃ اور خیرات ہیں۔ اور یہاں بتایا ہے کہ وہ دین جس کی طرف محمد رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں وہ اصل میں بیکسوں اور غریبوں کی ہمدردی ہے۔ جب تک یہ دل میں پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک نماز بھی ایک دکھاوا ہے۔ اس سورت کو بھی بعض نے مدنی کہہ دیا ہے مگر جمہور کے قول میں مکی ہے اور یہی صحیح ہے۔

3655۔ **دین کا سب سے بڑا رکن:** دین کے معنی یہاں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حکم اللہ کیے ہیں۔ (ج) اور عموماً جزا اس کے معنی کیے گئے ہیں۔ اور مجاہد نے اسلام مراد لیا ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ دین یہاں اپنے مشہور معنی میں ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ دین یا مذہب صرف چند باتوں کے منہ سے کہہ دینے کا نام نہیں۔ پس جو شخص یتیم سے سختی سے پیش آتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (خود کھلانا اس کے ضمن میں آ گیا) وہ گویا دین کو جھٹلاتا ہے۔ بالفاظ دیگر دین کا سب سے بڑا رکن یہی ہے کہ یتیم اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا ہو۔ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی یتیموں، مسکینوں کا ہمدرد دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ اغنیاء کے مال کا حصہ یتامی اور مساکین کو آپ نے دلایا، ورثہ کا حصہ آپ نے دلایا، ان کے حفاظت کے قانون آپ نے بتائے اور نبوت سے پہلے اور نبوت سے بعد جو ایک ولولہ آپ کے قلب مبارک میں موجزن نظر آتا ہے وہ بیکسوں کی خبر گیری ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝٥ جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝٦ جو دکھاوا کرتے ہیں۔

ع 1 7 32 وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝٧ اور خیرات کو روکتے ہیں۔(3656)

3656۔﴿مَاعُوْنِ﴾۔ مَعْنٌ تھوڑی سہل چیز کو کہا جاتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مَاعُوْنِ کے معنی زکوٰۃ مروی ہیں۔ اور مَاعُوْنِ زکوٰۃ کو اس لیے کہا گیا ہے کہ زکوٰۃ چالیسواں حصہ مال کا ہونے کی وجہ سے ایک قلیل شے ہے اور مَاعُوْنِ گھر کے اسباب کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے ڈول، کلہاڑی، ہانڈی، پیالہ۔ اور فراء کا قول ہے کہ عرب مَاعُوْنِ پانی کے لیے بھی کہہ دیتے ہیں۔ (ل) اور بخاری میں ہے کہ مَاعُوْنِ کا اعلیٰ درجہ زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ درجہ سامان کا عاریتاً دینا ہے۔

نماز کی حقیقت سے بے خبر رہ کر نماز پڑھنا دکھاوا ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴾۔ ظاہر ہے کہ مصلی نماز پڑھنے والا ہے اس پر ویل کی وجہ خود بتادی کہ وہ اپنی نماز سے غافل ہیں۔ بعض نے اس کے معنی نماز میں تاخیر لی ہے یعنی وقت پر نماز نہیں پڑھتے اور بعض نے مطلق ترک صلوٰۃ مراد لیا ہے۔ مگر ان دونوں باتوں کی الفاظ قرآنی سے تائید نہیں ہوتی۔ [دیکھو نمبر: 3160] جہاں [سَهْوٌ عَنِ الشَّيْءِ] کی تشریح کی گئی ہے۔ مراد یہ ہے کہ باوجود نماز پڑھنے کے نماز کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اسی لیے ﴿يُرَآءُوْنَ﴾ بھی کہا ہے یعنی ان کی ظاہر حرکات کو لوگ دیکھتے ہیں مگر دل ان کے نماز سے غافل ہیں۔ اور یہی معنی ابن زید سے مروی ہیں۔ [يُصَلُّوْنَ وَ لَيْسَتِ الصَّلٰوةُ مِنْ شَأْنِهِمْ] (ج) اور اس کے ساتھ ﴿يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ بڑھا کر بتایا کہ جن لوگوں کے دلوں میں مخلوق خدا کی ہمدردی پیدا نہیں ہوتی ان کی نماز نے انہیں کچھ فائدہ نہیں دیا۔ نماز انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکانے کے لیے اور اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق پیدا کرنے کے لیے ہے جس شخص کے دل میں مخلوق خدا کی خدمت کا جوش نہیں اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی نماز بھی اصل حقیقت سے دور ہے۔

اٰیَاتُھَا 3 (108) سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ مَکِّیَّۃٌ (15) رُکُوْعَاتُھَا 1

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ — ہم نے تجھے کوثر دی ہے۔ (3657)

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ؕ﴿۲﴾ — سوتو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔ (3658)

سورۃ الکوثر

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْکَوْثَرِ ہے اور اس میں 3 آیتیں ہیں اور اس کے نام میں یہ اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خیر کثیر دی گئی ہے، یعنی ہر قسم کی بھلائیوں سے اتنا بڑا حصہ دیا گیا ہے جو پہلے انبیاء کو نہیں دیا گیا اور آپ سے دشمنی کرنے والے ہمیشہ نا کام رہا کریں گے۔ اس سورت کے نزول کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض اسے مکی کہتے ہیں اور بعض مدنی اور بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ اس کا نزول دو دفعہ ہوا۔ ایک مکہ میں اور ایک مدینہ میں۔ مگر صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی۔

3657۔ ﴿کَوْثَرِ﴾۔ [دیکھو نمبر: 3300] اور کَوْثَرِ ہر شے کی کثرت کو کہا جاتا ہے۔ اور کَوْثَرِ جنت کی وہ نہر ہے جس سے تمام نہریں نکلتی ہیں اور وہ نبی ﷺ کے لیے خاص ہے اور کَوْثَرِ کے معنی خیر کثیر ہیں۔ اور تفسیر میں ہے کہ کَوْثَرِ قرآن اور نبوت ہے اور کہا گیا ہے کہ کَوْثَرِ سے مراد یہاں خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ کی امت کو دے گا اور یہ سب کثرت کے معنی کی طرف راجع ہے۔ اور جو کچھ تفسیر میں کوثر کے متعلق آیا ہے وہ سبھی کچھ نبی ﷺ کو دیا گیا۔ یعنی آپ کو خیر کثیر دی گئی اور تمام دینوں پر دین اسلام کا غلبہ دیا گیا اور دشمنوں پر نصرت دی گئی اور اپنی امت کے لیے شفاعت دی گئی اور خیر سے وہ کچھ دیا گیا جو شمار میں نہیں آ سکتا۔ (ل) اور عکرمہ سے ہے کہ کَوْثَرِ سے مراد خیر کثیر اور قرآن اور حکمت ہیں اور سعید بن جبیر سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ہر قسم کی خیر سے کثرت عطا فرمائی۔ پوچھنے والے نے کہا وہ جنت میں نہر ہے۔ آپ نے کہا نہر بھی اور اس کے سوائے بھی۔ (ج) ذیل کے اور اقوال ہیں: آپ کی اولاد، آپ کے پیرو، آپ کی امت کے علماء، آپ کا نور قلب، آپ کے فضائل کثیرہ، آپ کا ایثار۔ اور بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کَوْثَرِ وہ خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی اور سعید نے کہا کہ نہر بھی اس خیر کثیر میں سے ہے۔

3658۔ ﴿اَنْحَرْ﴾۔ نَحْر سینہ کا وہ حصہ ہے جہاں ہار ہوتا ہے۔ اور [نَحَرْتُہٗ] اس کے سینہ پر مارا یا ذبح کر دیا اور یہاں مراد [نَحَرَ

ع 1 3 33 اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۳ ع جو تیرا دشمن ہے اس کا نام لیوا کوئی نہ رہے گا۔ (3659)

الْهَدْيَ] یعنی قربانیوں کا ذبح کرنا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ سینہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم ہے اور کہا گیا ہے کہ شہوت کے دور کرنے سے نفس کشی مراد ہے۔(غ) اور بعض نے اس کے معنی کیے ہیں کہ اپنے سینہ سے قبلہ کی طرف متوجہ ہو۔(ر) اور نماز کے ساتھ اَنْحَرْ کے حکم میں وسعت ہی لینی چاہئے۔اور مراد اس سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دینا ہے۔

3659۔ ﴿اَبْتَرُ﴾ ۔ بَتْرٌ کے اصل معنی قطع کرنا ہیں اور اس شخص کو اَبْتَرُ کہا جاتا ہے جس کے پیچھے اس کی نسل نہ ہو اور اس شخص کو بھی اَبْتَرُ کہا جاتا ہے جس کا ذکر خیر منقطع ہو جائے اور حدیث میں ہر اس امر کو اَبْتَرُ کہا ہے جو اللہ کے ذکر سے شروع نہ کیا جائے۔اور یہاں اَبْتَرُ کے معنی مقطوع الذکر ہیں۔ اس لیے کہ کفار سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر آپ کی زندگی کے ساتھ منقطع ہو جائے گا، اس لیے کہ آپ کی اولاد نہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص آپ سے دشمنی کرتا ہے اسی کا ذکر منقطع ہوگا اور آپ کے متعلق ارشاد فرمایا: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ [الم نشرح: 4:94] ''اور ہم نے تیرے ذکر کو تیرے لیے بلند کیا۔'' کیونکہ آپ مومنوں کے باپ ہیں۔(غ)

اس چھوٹی سی سورت میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہمیشہ کے لیے رکھ دی کہ جو شخص آپ کے ساتھ دشمنی کر کے اس حق کو مٹانا چاہے گا جو آپ لائے ہیں اس کا ذکر خیر ہمیشہ کے لیے دنیا سے منقطع ہو جائے گا اور آپ کو خیر کثیر سے حصہ ملتا چلا جائے گا۔اور یہ پیشگوئی تمام زمانوں کے لیے ہے۔آج بھی جس شخص نے آپ سے بغض رکھا اس کا ذکر خیر اللہ تعالیٰ نے منقطع کر دیا۔

اٰیَاتُھَا 6 (109) سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ (18) رُکُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ①	کہہ دے اے کافرو!
لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ②	میں اس کی عبادت نہیں کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔
وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ③	اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔
وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ④	اور نہ میں کبھی اس کی عبادت کرنے والا ہوا جس کی تم عبادت کرتے تھے۔
وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ⑤	اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ (3660)

سورۃ الکافرون

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْکٰفِرُوْنَ ہے اور اس میں 6 آیتیں ہیں اور اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ رسول خدا ﷺ اور آپ کے دین میں کفر کی کوئی تاریکی باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اور اس سورت میں کامل توحید کا عملی رنگ پیش کیا ہے، یعنی عملی طور پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پیرو ان چیزوں کی عبادت سے بیزار ہیں جن کی عبادت کفار کرتے ہیں۔ خواہ وہ مال و دولت ہو اور خواہ شجر و حجر یا انسان وغیرہ۔ اس کے دوسرے ناموں مُقَشْقِشَۃٌ وغیرہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ سورت اور سورۂ اخلاص ایک ہی ہیں۔ یہ عملی رنگ میں توحید کو کامل کرتی ہے اور اخلاص علمی رنگ میں۔ اور یہ ابتدائی مکی زمانہ کی سورت ہے۔

3660۔ **عمل میں توحید اور شرک سے بیزاری:** یہاں اپنے متعلق دو باتیں فرمائیں۔ اول ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ اور دوسری ﴿لَآ

ع 1 6 34 لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ٦ تمہارے لیے تمہارا بدلہ ہے اور میرے لیے میرا بدلہ ہے۔

اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ﴾۔ تو پہلے یعنی ﴿لَآ اَعْبُدُ﴾ میں استقبال مراد ہے یعنی میں کبھی بھی تمہارے معبودان باطل کی عبادت نہیں کروں گا۔ کیونکہ جیسا کہ زمخشری نے لکھا ہے لَا جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس کو استقبال کے معنی میں کر دیتا ہے جس طرح مَا مضارع پر داخل ہو کر اسے حال کے معنی کر دیتا ہے۔ اور دوسرے یعنی ﴿وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ﴾ میں ﴿عَبَدْتُّمْ﴾ ماضی لا کر صاف بتا دیا کہ میں نے پہلے بھی کبھی اس کی عبادت نہیں کی جس کی تم عبادت کرتے رہے ہو۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ کی نفی پہلے اور استقبال کی پیچھے چاہئے تھی لیکن چونکہ استقبال کے متعلق کفار اپنا پورا زور لگا رہے تھے اور آپ کو اور آپ کے صحابہ کو ہر قسم کی ایذا پہنچا رہے تھے اور قتل کے منصوبے کر رہے تھے تو اس کی وقعت کے لحاظ سے اسے مقدم کیا۔ یعنی جتنا تم چاہو زور لگا لو میں کبھی اس چیز کی عبادت نہیں کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ میں نے پہلے بھی کبھی اس چیز کی عبادت نہیں کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اس لیے **جب قبل از نبوت میں نے تمہارے ان بتوں کی عبادت نہیں کی** تو اب کس طرح کر سکتا ہوں۔ اور کفار کے متعلق دونوں دفعہ ایک ہی لفظ ہیں ﴿وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾۔ یعنی تم خدا کی عبادت ہرگز نہیں کر رہے۔ اور اس کا دو دفعہ لانا تاکید کے لیے ہے اور یہ ظاہر کرنے کو کہ تمہیں اپنی بات پر اصرار ہے۔ اور آخری آیت میں دین کے معنی جزا ہیں یعنی تم اپنی عبادت کا نتیجہ دیکھ لو گے، میں اپنی عبادت کا نتیجہ پا لوں گا۔ اور یہاں معبود بنانے میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو دنیا میں محبوب یا مطلوب یا مقصود بنایا جاتا ہے۔

اٰیاتُھَا 3 (110) سُوْرَةُ النَّصرِ مَدَنِيَّةٌ (114) رُکُوعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝۱
جب اللہ (تعالیٰ) کی مدد اور فتح آ گئی۔

وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲
اور تو نے لوگوں کو اللہ (تعالیٰ) کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳ ع 1/3 35
تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور اس کی حفاظت مانگ۔ وہ رجوع برحمت کرنے والا ہے۔ (3661)

سورۃ النصر

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلنَّصرِ ہے اور اس میں 3 آیتیں ہیں۔ اور اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آنحضرت ﷺ کو مطابق ان وعدوں کے جو پیشتر سے کیے تھے ملی۔ پچھلی سورت میں چونکہ آخر پر فرمایا تھا ﴿لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ﴾ اس لیے یہاں اس سورت میں اس نتیجہ کا ذکر کیا جو محمد رسول اللہ ﷺ کو ملا اور اگلی سورت میں اس نتیجہ کا ذکر ہے جو اعدائے دین کو ملا۔ یہ سورت بلحاظ نزول مقام مکی ہے اور بلحاظ زمانہ مدنی۔ یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور اس کا نزول حجۃ الوداع میں ہوا۔ اسی لحاظ سے اسے مکی سورتوں کے مجموعہ میں شامل کیا ہے۔

3661۔ **اللہ تعالیٰ کی نصرت کا نظارہ:** ترمذی اور بیہقی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ سورت رسول اللہ ﷺ پر حجۃ الوداع میں ایام تشریق کے وسط میں نازل ہوئی۔ اور بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: [قَالَ أَجَلٌ أَوْ مَثَلٌ ضُرِبَ لِمُحَمَّدٍ ﷺ نُعِيَتْ لَهُ نَفْسُهُ] (صحیح بخاری، کتاب:65، باب:3، حدیث: 4969) یعنی اس میں آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی ہے یا یہ مثال ہے، گویا آپ کی اپنی موت کی خبر دی گئی۔ اور ایسی ہی ایک اور روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے

کہ وفات کی خبر وفات کے قریب ہی دی گئی اور روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول مکہ میں ہوا اور مکہ میں نزول حجۃ الوداع میں ہی ہوسکتا تھا۔ اس لیے جس نصر اور فتح کی یہاں خوش خبری دی گئی ہے وہ کوئی ظاہری فتح نہیں۔ گو فتح مکہ پر یہ لفظ بالخصوص بولا گیا ہے۔ بلکہ یہ وہی فتح مبین ہے جس کا ذکر سورۃ فتح میں ہے یعنی لوگوں کا اسلام کو قبول کرنا۔ جیسا کہ خود ہی یہاں وضاحت بھی کردی ہے اور نَصْرُ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اور فتح اس کا نتیجہ ہے۔ پس یہاں آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا کھلا نظارہ دیکھ لیا اور لوگ فوج درفوج دین اسلام میں داخل ہو گئے یہاں تک کہ ملک عرب میں کوئی شرک باقی نہ رہا تو اب اللہ کی تسبیح کرو جس نے اپنے ان وعدوں کو پورا کیا۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے صحیح بخاری میں ہے کہ اس سورت کے نزول کے بعد آپ اپنی ہر نماز میں [سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي] (صحیح بخاری، کتاب:65، باب:1، حدیث: 4969) پڑھا کرتے تھے۔

استغفار سے مراد یہاں ان لوگوں کے لیے بھی استغفار ہوسکتا ہے جو آپ کی مخالفت کے بعد اب فوج درفوج دین اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اور یہ فوج درفوج لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا دسویں سال ہجرت کا واقعہ ہے۔

اٰيَاتُهَا 5 (111) سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ (6) رُكُوْعَاتُهَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ﴿۱﴾
ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے اور وہ بھی ہلاک ہوا۔
(3662)

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿۲﴾
اس کا مال اور جو اس نے کمایا تھا اس کے کسی کام نہ آیا۔

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۳﴾
وہ جلد شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا۔

سورة اللهب

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَللَّهَبِ ہے اور تَبَّتْ بھی کہہ لیتے ہیں۔ اور اس میں 5 آیتیں ہیں۔ اس میں ان لوگوں کی انجام ہلاکت ہونا بتایا ہے جو عداوت حق میں غضب سے بھر جاتے ہیں۔ اسی کی طرف ابولہب کے ذکر میں اشارہ ہے اور یہ ابتدائی مکی زمانہ کی سورت ہے۔

3662۔ ﴿اَبِيْ لَهَبٍ﴾۔ عبدالعزی بن عبدالمطلب کی کنیت ابولہب ہے یہ آنحضرت ﷺ کا چچا تھا اور مقاتل سے مروی ہے کہ یہ اس کی کنیت اس وجہ سے تھی کہ اس کے رخسار سرخ تھے اور یا یہ کنایۃً جہنمی ہونے سے ہے۔ گو یا وہ خود لہب کا باپ ہے جیسے ابوالخیر نیک کو، ابوالشر بد کو، اخوالحرب جنگ کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ اور یوں شخص معلوم کا ذکر کر کے کنایتاً اسے عام کر دیا ہے۔ (ر)

صفا کا واقعہ:

بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ [الشعراء: 214:26] ''اور اپنے رشتہ داروں کو ڈرا'' تو رسول اللہ ﷺ نکلے یہاں تک کہ صفا پر چڑھ گئے اور تب آپ نے (مختلف قبیلوں کو) پکارنا شروع کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ ایک رسالہ اس پہاڑ کے نیچے سے نکل کر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے۔ سب نے کہا <u>ہم نے کبھی تجھ سے جھوٹ نہیں دیکھا</u>۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں عذاب شدید سے ڈراتا ہوں۔ ابولہب نے کہا [تَبًّا لَكَ مَا جَمَعْتَنَا اِلَّا لِهٰذَا] (صحیح

وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ﴿۴﴾ اور اس کی عورت چغل خور۔

ع 1/5/36 فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۠﴿۵﴾ اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسہ ہے۔(3663)

تو ہلاک ہو تو نے ہمیں صرف اس لیے جمع کیا تھا۔تب یہ سورت اتری۔ البخاری، کتاب:65،باب:1،حدیث: 4971)

اور اصل غرض صرف یہ بتانا ہے کہ جو شخص مخالفت میں ابولہب بنتا ہے اس کا انجام اچھا نہیں اور وہ ہلاک ہو کر رہے گا۔اور ﴿یَدَآ﴾ میں اشارہ ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ جن سے وہ حق کی دشمنی کا کام کرتا تھا ہلاک ہو جائیں گے۔اور اس شخص کا یہ قاعدہ تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ حاجیوں میں وعظ کے لیے نکلتے اور توحید کی تبلیغ کرتے تو یہ بھی پیچھے نکلتا اور کہتا کہ یہ کذاب ہے اور ساتھ ہی پتھر اٹھا اٹھا کر آپ کے پاؤں اور پنڈلیاں زخمی کر دیتا تا کہ آپ چلنے سے رک جائیں۔اور ابولہب کا ذکر خاص کرنے میں یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ باوجود اس قدر رشتہ داری کے تعلق کے بھی جب حق کی مخالفت اختیار کی تو تباہی سے نہ بچا۔اور کوئی کس طرح بچ سکتا ہے اور ابولہب جنگ بدر کے سات دن بعد وبائی بیماری سے مر گیا اور اس کے گھر کے لوگ بھی اس کے پاس نہ گئے۔اور آخر حبشیوں سے اٹھوا کر اسے دفن کرا دیا گیا۔

3663۔﴿الْحَطَبِ﴾۔ حَطَبٌ وہ چیز ہے جو جلانے کے لیے تیار کی جائے۔اور [فُلَانٌ حَطَبَ بِفُلَانٍ] کے معنی ہیں اس کی چغلخوری کی۔ اور ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ میں چغلی سے کنایہ ہے۔(غ) بخاری میں مجاہد سے ہے کہ ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ سے مراد چغل خور ہے۔

﴿جِیْدِ﴾۔ گردن یا وہ گردن جس میں ہار پہنا ہوا ہو۔اور عورت کی گردن پر زیادہ بولا جاتا ہے۔(ل) ﴿مَسَدٌ﴾۔ کھجور کی چھال۔(غ)

اُمّ جمیل اور اس کا انجام:

ابولہب کی عورت ام جمیل تھی اور اس کے ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ ہونے سے مراد اس کی چغل خوری ہے۔بعض نے ظاہری معنی مراد لیے ہیں یعنی وہ کانٹے وغیرہ رسول اللہ ﷺ کے رستے میں پھینک دیا کرتی تھی تا کہ آپ اندھیرے میں چلیں تو زخمی ہوں۔اور قتادہ سے ہے کہ بوجہ سخت بخیل ہونے کے وہ خود ایندھن باہر سے اٹھا کر لایا کرتی تھی۔اور پہلی دونوں صورتوں میں رسول اللہ ﷺ کی ایذا مراد ہے۔اور رسے کے گردن میں ہونے سے مراد یہاں دوزخ میں زنجیروں کا ہونا لیا گیا ہے۔اور چونکہ جِیْدِ زیور والی گردن کو کہتے ہیں اس لیے اشارہ اس کے مال و دولت یا زیورات کی طرف ہے۔اور لکھا ہے کہ اس کا ہار جواہرات کا تھا اور اس نے قسم کھائی تھی کہ میں اسے محمد ﷺ کی عداوت پر خرچ کروں گی۔اور پیشگوئی کے رنگ میں بھی یہی اس کا انجام ہوا، یعنی لکڑی کے گٹھے کا رسہ اس کے گلے میں پڑ گیا اور وہ گلا گھٹ کر مر گئی۔اور مطلب یہ ہے کہ مرد ہو یا عورت، عداوت حق اسے تباہی کو پہنچا کر چھوڑے گی۔

آیَاتُھَا 4 | سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ (112) (22) | رُكُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ① — کہہ اللہ (تعالیٰ) ایک ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ② — اللہ (تعالیٰ) بے نیاز ہے۔

لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ ③ — نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔

وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۧ ④ — اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔(3664)

سورۃ الاخلاص

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْاِخْلَاصِ ہے اور اس میں 4 آیتیں ہیں اور اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ اس میں توحید باری کو ہر قسم کے شرک سے خالص کر کے بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ توحید باری پر جامع تعلیم ہے اور ہر قسم کے شرک کی اس میں تردید کی ہے۔ اور اسی لیے اس کا نام اساس بھی ہے۔ کیونکہ توحید اصول دین کی بنیاد ہے اور یہ فی الحقیقت قرآن کریم کی آخری سورت ہے، کیونکہ باقی دونوں سورتیں پناہ مانگنے کے لیے ہیں اور اس توحید کی جامع تعلیم پر قرآن کریم کو ختم کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہی اس کی تعلیم کا لب لباب ہے۔ اور یہ ابتدائی مکی سورتوں میں سے ایک ہے۔

3664۔ ﴿صَمَدُ﴾۔ [صَمَدَ اِلَيْهِ] کے معنی ہیں قَصَدَهٗ اس کا قصد کیا۔ اور ﴿الصَّمَدُ﴾ وہ ہے کہ حاجات کے وقت اس کا قصد کیا جائے یا وہ سید مطاع جس کے سوائے کسی امر کا فیصلہ نہ ہو یا وہ کہ اس نے سب کو پیدا کیا ہے اور کوئی چیز اس سے مستغنی نہیں۔ (ل)

﴿كُفُوًا﴾۔ كُفْءٌ مرتبہ اور قدر میں کسی چیز کا ہم پلہ۔ اسی سے مُكَافَاةٌ ہے جس کے معنی مساوات یا فعل میں مقابلہ ہیں۔ (غ) اور كُفْءٌ کسی چیز کی نظیر یا اس کے مساوی کو کہتے ہیں۔ اور كُفْءٌ اور كُفُوْءٌ کے ایک ہی معنی ہیں اور اسی سے نکاح میں مکافاۃ ہے یعنی زوج کا حسب و نسب وغیرہ میں عورت کا ہم پلہ ہونا۔ (ل)

توحید کی جامع تعلیم اور شرک کی کامل تردید:

اس چھوٹی سی سورت میں وحدانیت باری تعالیٰ کے سارے پہلوؤں کو شامل کیا ہے اور ہر قسم کے شرک کا ابطال کیا ہے۔ پہلی

آیت میں اس کا اَحَدٌ ہونا بیان کیا ہے یعنی وہ اپنی ذات میں اکیلا ہے اور یوں ہر قسم کے شرک فی الذات اور تثلیث وغیرہ کی تردید کی ہے۔ دوسری آیت میں اس کا صَمَدٌ ہونا بیان کیا ہے یعنی وہ جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور اس لیے سب چیزیں اس کی محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس میں اس غلط خیال کی بھی تردید ہے کہ مادہ اور روح کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود بخود ہیں۔ اگر ایسا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ صمد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ مادہ اور روح کا محتاج ہوا اور مادہ اور روح اس کے محتاج نہ ہوئے۔ ایسا ہی بت پرست قوموں کے اس عقیدہ کی بھی تردید ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لیے بتوں کی ضرورت ہے۔ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ [الزمر: 3:39] ''ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں۔'' تیسری آیت میں خدا کے باپ یا بیٹا ہونے کی تردید ہے اور یہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔ چوتھی میں اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر ہونے کی تردید ہے جیسے اوتار ماننے والوں کا عقیدہ ہے یا جیسے آتش پرستوں کا عقیدہ ہے کہ خالق خیر خدا کے مقابلہ پر ایک خالق شر ہے۔

پھر ایک اور پہلو سے ہر قسم کے شرک کی یہاں نفی کی ہے۔ کیونکہ شرک یا ذات میں ہوگا جس کی تردید اَحَدٌ میں یا صفات میں ہوگا جس کی تردید صَمَدٌ میں ہے یا بلحاظ ولد یا والد ہونے کے ہوگا جس کی تردید ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ میں کی ہے۔ اور یا افعال میں ہوگا یعنی اس جیسا فعل کوئی دوسرا بھی کر سکتا ہے جس کی تردید ﴿لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ میں کی ہے۔ یوں تمام پہلوؤں سے اس آخری سورت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو کمال کے رنگ میں بیان کیا ہے اور ہر قسم کے شرک کی جڑ کاٹی ہے۔

اٰیَاتُھَا 5 (113) سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ (20) رُكُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ — کہہ میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ — ہر چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ — اور تاریک رات کے شر سے۔ جب تاریکی چھا جائے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ — اور عزیمتوں میں پھونکنے والی کے شر سے۔

ع 1/5/38 وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ — اور حسد کرنے والے کی شر سے جب وہ حسد کرے۔(3665)

سورة الفلق

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلْفَلَقِ ہے اور اس میں 5 آیتیں ہیں اور اس کے نام میں اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تاریکیوں کو پھاڑ کر روشنی نمودار کرتا ہے اور بیج کو پھاڑ کر درخت بناتا ہے، اسی طرح اس شخص کے لیے ظلمتوں سے روشنی نکالتا اور اس کے کام کو کامیاب کرتا ہے جو اس کی پناہ میں آتا ہے۔ وہ آیت جس کی تعمیل میں یہ دونوں سورتیں بطور دعا سکھائی گئی ہیں یعنی ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ [النحل: 98:16] ''سو جب تو قرآن پڑھنے لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ۔'' مکی ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورتیں مکی ہونی چاہئیں۔ مگر مفسرین نے ان ہر دو سورتوں کو مدنی قرار دیا ہے اور روایات اسی بات کو صحیح ٹھہراتی ہیں۔ ان دونوں سورتوں کا قرآن کریم کے خاتمہ پر رکھا جانا اسی آیت کریمہ کے منشا کے مطابق ہے۔

3665۔ ﴿وَقَبَ﴾۔ [وَقَبَتِ الشَّمْسُ] کے معنی ہیں سورج ڈوب گیا اور یہاں وقب سے مراد اس کا غائب ہونا ہے۔ (غ)

﴿نَفّٰثٰتِ﴾۔ نَفث۔ نَفل سے کم ہے یعنی تَفل میں کچھ تھوک بھی ساتھ ہوتا ہے۔ اور نَفث۔ نَفخ کی طرح ہے۔ منتر پڑھنے والے

کے متعلق کہا جاتا ہے[نَفَثَ الرَّاقِي]۔اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:[إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوعِي](شرح السنة للبغوی، جلد 7، صفحہ243) جس سے مراد ہے کہ روح القدس نے مجھے وحی کی یا میرے دل میں ڈالا اور افتتاح صلوٰۃ میں جو دعا میں آتا ہے:[اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ نَفثِهِ وَنَفْخِهِ وَهَمْزِهِ] (مصنف عبدالرزاق، باب: استفتاح الصلوٰۃ، جلد2، صفحہ82، حدیث:2573) تو نَفَثَ سے مراد یہاں شعر ہے اور شعر کو نَفَثَ اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان اسے اپنے منہ سے پھونکتا ہے جس طرح منتر کو پڑھ کر پھونکتا ہے اور نَفّٰثٰتِ سے مراد سواحر ہیں۔اور[هُوَ يَنْفِثُ عَلَيَّ غَضَبًا] گویا وہ شدت غضب سے پھنکارتا ہے۔(ل)

﴿عُقَدِ﴾۔عُقْدَۃٌ کی جمع ہے اور یہ اس کا نام ہے جو مضبوط باندھ لیا جائے نکاح ہو یا قسم یا اور کچھ۔﴿لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ﴾ [البقرۃ: 235:2] ''نکاح کی گرہ کو پختہ مت کرو۔'' اور عُقْدَۃٌ روک کو بھی کہتے ہیں۔﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ﴾[طٰہٰ: 27:20] ''اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔'' اور ساحرہ جو گانٹھ دیتی ہے اسے بھی عُقْدَۃٌ کہا جاتا ہے اور اس کی اصل عزیمت سے ہے اس لیے اسے عزیمت بھی کہا جاتا ہے۔(غ) اور حدیث دعا میں ہے[لَكَ مِنْ قُلُوْبِنَا عُقْدَةُ النَّدَمِ](لسان العرب، جلد3، صفحہ296) جس سے مراد ندامت پر عزم کا پختہ کر لینا ہے اور ایک حدیث میں ہے[لَا اَحُلُّ لَهَا عُقْدَةً](لسان العرب، جلد3، صفحہ296) جہاں عُقْدَۃٌ کے معنی عزم ہیں اور ہر شے کا عُقْدَۃٌ اس کا ابرام یعنی پختہ یا محکم کر لینا ہے۔(ل)

اس سورت میں چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی دعا سکھائی ہے۔اول ہر چیز کی شر سے جو اللہ نے پیدا کی ہے۔کیونکہ ہر چیز انسان کے نقصان کا موجب بھی ہوسکتی ہے اور نفع کا بھی۔گو بذات خود اس میں کوئی برائی نہ ہو۔مثلاً آگ یا پانی انسان کے نفع کا موجب بھی ہیں اور ان سے نقصان بھی ہوسکتا ہے۔دوسرے اندھیرے سے پناہ مانگنے کو فرمایا کیونکہ تاریکی میں ہر قسم کے مصائب ہوتے ہیں۔اور یہاں بالخصوص ان تاریکیوں کی طرف اشارہ ہے جو کسی کام کی ابتدا میں انسان کے سامنے ہوتی ہیں۔ ہر کام کی ابتدا میں اور اسی طرح تبلیغ حق کی ابتدا میں چاروں طرف تاریکی اور ظلمت کا سامنا تھا۔یہ گویا **پہلا مرحلہ** ہے اور تاریکی سے پناہ چاہی ہے۔گویا روشنی مانگتا ہے۔جب انسان کے سامنے رستے کھل جاتے ہیں اور انسان ایک کام کے لیے اپنا عزم پختہ کر لیتا ہے تو پھر ایک اور قسم کی مشکلات کا مقابلہ ہوتا ہے۔یعنی اس کام میں رکاوٹ ڈالنے والے پیدا ہو جاتے ہیں، جن کو یہاں ﴿نَفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾ سے تعبیر کیا ہے۔اس کے اگر مشہور معنی بھی لیے جائیں تو اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جادو سچ مچ کوئی ایسی چیز ہے جس سے کام میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔بلکہ یہ دھوکہ باز لوگوں کی کارروائیوں کی طرف اشارہ ہے۔اور اصل یہ ہے کہ نَفّٰثٰتِ سے مراد نفث کرنے والی جماعتیں ہیں۔[فَالنَّفَّاثَاتِ صِفَّةٌ لِلنُّفُوْسِ](ر) اور نفث کے معنی میں وسعت ہے۔دل میں خیالات ڈالنا یا غضب وغیرہ سے پھونکیں مارنا اس کے اندر شامل ہے۔اور عُقْدَۃٌ کے معنی عزم یا استحکام امر ہیں۔گویا یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو انسان کے عزم کو اپنی پھونکوں سے برباد کرنا چاہتے ہیں۔یہ رکاوٹ **دوسرے مرحلہ** پر پیش آتی ہے اور جب انسان اس مرحلہ سے بھی گزر جاتا ہے اور کامیابی ظاہر ہوتی ہے تو پھر حاسد پیدا ہوتے ہیں۔اس لیے تیسرے مرحلہ پر جو **آخری مرحلہ** ہے حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کا ارشاد فرمایا۔اور ﴿رَبِّ الْفَلَقِ﴾ کی پناہ مانگنے کو اس لیے کہا

اٰیَاتُھَا 6 (114) سُوْرَۃُ النَّاسِ مَکِّیَّۃٌ (21) رُکُوْعَاتُھَا 1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ۝۱ — کہہ میں لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔

مَلِکِ النَّاسِ ۙ۝۲ — لوگوں کے بادشاہ کی۔

اِلٰہِ النَّاسِ ۙ۝۳ — لوگوں کے معبود کی۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۬ۙ الْخَنَّاسِ ۪ۙ۝۴ — پیچھے ہٹ جانے والے کے وسوسہ کی شر سے۔

کہ فلق صبح کو کہتے ہیں جب تاریکی پھٹ کر روشنی نمودار ہوتی ہے اور اسی لفظ سے ﴿فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی﴾ [الانعام: 95:6] ’’دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والا‘‘ بھی ہے جو دانہ اور گٹھلی کو پھاڑ کر ایک درخت بنا تا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی اس ربوبیت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جس طرح وہ تاریکی کو پھاڑ کر روشنی عطا کرتا ہے اور گٹھلی کو پھاڑ کر درخت بنا تا ہے، اسی طرح پناہ مانگنے والے کے کام میں ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کرے۔ ظلمت کو پاش پاش کر کے روشنی نکالے اور اس کے امر مخفی کو جو ایک بیج سے مشابہت رکھتا ہے ترقی دے کر ایک درخت بنائے اور سب سے بڑھ کر اس دعا کی ضرورت تبلیغ حق میں ہے۔

سورۃ الناس

تمہید سورت:

اس سورت کا نام اَلنَّاسِ ہے اور اس میں 6 آیتیں ہیں۔ اور اس کے نام میں یہ اشارہ ہے کہ سب لوگوں کا حقیقی تربیت کرنے والا، حقیقی بادشاہ، اصل محبوب صرف ایک خدا ہے اور اسی رب، بادشاہ، محبوب کی پناہ میں رہنا چاہئے۔ اس سورت پر قرآن شریف کا خاتمہ ہوتا ہے۔ نزول اس کا اور اس سے پہلی سورت کا ایک ہی وقت میں ہوا اور یہ ایک دوسرے کے مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۧ﴿۶﴾ جنوں اور انسانوں میں سے۔(3666)

ع 1 6 39

3666۔اس سورت میں پہلی سورت کے مضمون کی تکمیل ہے۔مگر یہاں صرف ایک چیز سے پناہ مانگنے کی دعا ہے یعنی خَنَّاس کے وسوسہ کی شرارت سے۔اس کو پچھلی سورت سے الگ کر کے بتایا ہے کہ شیطان کا وسوسہ سب سے زبردست چیز ہے جو انسان کو خیرات سے محروم کر دیتی ہے۔اور یہاں شیطان کو خَنَّاس کہا ہے یعنی پیچھے ہٹ جانے والا۔جس کے لیے[دیکھو نمبر: 3550]اور شیطان جو وسوسہ اندازی کرتا ہے تو پیچھے ہٹ کر ہی کرتا ہے علی الاعلان مقابلہ پر آ کر نہیں کرتا۔اور یہاں پناہ مانگنے کے لیے لفظ بھی زبردست رکھے ہیں۔رَبّ، مَلِكِ، اِلٰهِ۔رَبّ پرورش کرنے والا۔مَلِكِ حکومت کرنے والا۔اِلٰهِ مطلوب اور محبوب حقیقی۔اور **شیطان کا وسوسہ تین رنگوں میں ہی ہوتا ہے**۔کبھی ربوبیت کے رنگ میں کہ انسان خدا کے سوائے دوسرے کو اپنا پرورش کرنے والا سمجھ لیتا ہے۔کبھی حکومت کے رنگ میں کہ انسان اپنے اوپر دوسرے کی حکومت کو سمجھ کر اس قدر اس کے آگے جھک جاتا ہے کہ خدا کو بھول جاتا ہے اور کبھی محبوبیت کے رنگ میں کہ انسان دوسری چیزوں کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔مال کو، عورت کو، بیٹوں کو، عزت کو، شہرت کو۔پس یاد دلایا ہے کہ سب کا تربیت کرنے والا ایک ہے، سب پر بادشاہ بھی ایک ہے، سب کا محبوب حقیقی بھی ایک ہے۔پس ان تینوں راہوں سے وسوسہ شیطانی سے اپنا بچاؤ کرو۔یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسوسہ اندازی کا کام جن بھی کرتے ہیں اور انسان بھی۔

آنحضرت ﷺ کے مسحور ہونے کی غلط روایت:

یہ دونوں سورتیں مُعَوِّذَتَیْن کے نام سے موسوم ہیں۔اس لیے کہ ان میں ہر قسم کی برائیوں سے پناہ مانگنے کا طریق بتایا ہے اور یہ ایک دوسرے کے مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔اور یہودی کے سحر کے قصہ کے متعلق ان کا نازل ہونا صحیح نہیں۔اور گو یہ روایت بخاری اور مسلم میں کہ آنحضرت ﷺ پر ایک یہودی کے سحر کا اثر ہوگیا تھا۔مگر یہ قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف ہے۔اس لیے کہ مسحور آپ کو کفار کہتے تھے۔اور یہ بات کہ آپ خیال کرتے تھے کہ آپ نے ایک فعل کیا ہے اور وہ نہ کیا ہوتا کسی طرح قابل قبول نہیں۔اتنا بڑا واقعہ گروہ کثیر کے علم میں آتا اور اس کی روایت کرنے والے بھی بہت ہوتے۔حالانکہ یہ روایت صرف ایک ہی راوی کی ہے اور ایسے واقعہ کے متعلق جسے نہ قرآن شریف قبول کرتا ہے نہ عقل صحیح اس کو تسلیم کرسکتی ہے ایک آدمی کی روایت کچھ وقعت نہیں رکھتی۔